ثانوی زبان کی درسی کتاب

جان پہچان

(دسویں جماعت کے لیے)

حصہ – 5

ثانوی زبان کی درسی کتاب

جان پہچان

(دسویں جماعت کے لیے)

حصہ – 5

नेशनल

नेशनल काउंसिल

NCERT

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

JAAN PEHCHAN, L2
Textbook for Class X

ISBN 978-81-7450-999-4

جُملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یادداشت کے ذریعے بازیافت کے سسٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، میکانیکی، فوٹو کاپینگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی ترسیل کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جارہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھاپی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد بندی اور سرورق میں تبدیلی کر کے، تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جاسکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جاسکتا ہے۔
- کتاب کے صفحہ پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی صحیح قیمت ہے۔ کوئی بھی نظرثانی شدہ قیمت چاہے وہ ربر کی مہر کے ذریعے یا چیپی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط متصوّر ہوگی اور ناقابلِ قبول ہوگی۔

پہلا ایڈیشن

نومبر 2009 آگہن 1931

دیگر طباعت

دسمبر 2014 پوش 1936
فروری 2016 پھالگن 1937
اپریل 2018 چیتر 1940

PD 15 SPA

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ 2009

این سی ای آر ٹی کے پبلی کیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیمپس
شری اروندو مارگ
نئی دہلی - 110016 فون 011-26562708

108,100 فٹ روڈ ہوسڈے کیرے ہیلی
ایکسٹینشن بناشنکری III اسٹیج
بنگلور - 560085 فون 080-26725740

نوجیون ٹرسٹ بھون
ڈاک گھر، نوجیون
احمد آباد - 380014 فون 079-27541446

سی ڈبلیو سی کیمپس
بمقابل ڈھانکل بس اسٹاپ، پانی ہاٹی
کولکتہ - 700114 فون 033-25530454

سی ڈبلیو سی کامپلیکس
مالی گاؤں
گواہاٹی - 781021 فون 0361-2674869

اشاعتی ٹیم

ہیڈ پبلی کیشن ڈویژن	:	محمد سراج انور
چیف ایڈیٹر	:	شویتا اُپّل
چیف بزنس منیجر	:	گوتم گانگولی
چیف پروڈکشن آفیسر	:	ارون چتکارا
ایڈیٹر	:	سید پرویز احمد
پروڈکشن آفیسر	:	عبدالنعیم

سرورق
اروپ گپتا

قیمت : 70.00 ₹

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ

سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، شری اروندو مارگ، نئی دہلی نے نکھل آفسیٹ، 127,223، ڈی ایس آئی ڈی سی کمپلیکس، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-I، نئی دہلی-110020 میں چھپوا کر پبلی کیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

پیش لفظ

’قومی درسیات کا خاکہ،2005‘میں سفارش کی گئی ہے کہ بچّوں کی اسکولی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ زاویۂ نظر کتابی علم کی اُس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں اسکول، گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل رہے ہیں۔ نئے قومی درسیات پر مبنی نصاب اور درسی کتابوں کی تیاری اسی بنیادی مقصد پر عمل آوری کی ایک کوشش کہی جا سکتی ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امّید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی (1986) میں مذکور تعلیم کے ’طفل مرکوز نظام‘ کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار ان اقدامات پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کے سلسلے میں بچوں کی ہمّت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچّوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر نئی معلومات مرتب کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محلِ وقوع کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب، مجوّزہ نصابی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچّوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچّوں کو بہ حیثیت شریک کار قبول کریں اور ان سے اُسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقرّرہ معلومات کا جانکار نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے نظام الاوقات (Time - Table) اور طریقۂ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ روز مرّہ معمولات میں نرمی کی اتنی ہی اہمیت یا ضرورت ہے جتنی کہ سالانہ کیلینڈر کے نفاذ اور محنت کی، تاکہ تدریس کے لیے دستیاب مدّت کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جاسکے۔ تدریس اور اندازِ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعیّن ہوگا کہ یہ نصابی کتاب بچّوں میں ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ پیدا کرنے کے بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوش گوار بنانے میں کس حد تک

موثر ثابت ہوتی ہے۔نصابی بوجھ کے مسئلے کوحل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیلِ نو اور اُسے نیارخ دینے کی غرض سے بچّوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجّہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید بہتر بنانے کے لیے یہ نصابی کتاب سوچنے اور حیرتوں کو جگائے رکھنے،چھوٹے گروپوں میں بحث و مباحثہ کوفروغ دینے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اوّلیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی ''کمیٹی برائے درسی کتاب'' کی مخلصانہ کوششوں کی شکر گزار ہے۔کونسل زبانوں کی مشاورتی کمیٹی برائے زبان کے چیئرمین پروفیسر نامور سنگھ اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر شمیم حنفی کی ممنون ہے۔ اس درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصّہ لیا، ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکر گزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے وسائل، مآخذ اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ ہم وزارت برائے فروغ انسانی وسائل،حکومتِ ہند کے شعبے برائے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی جانب سے پروفیسر مرنال مری اور پروفیسر جی۔ پی۔ دیش پانڈے کی سر براہی میں تشکیل شدہ نگراں کمیٹی (مانیٹرنگ کمیٹی) کے اراکین کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت اور تعاون ہمیں دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے مقصد کی پابند ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی تمام مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب کو مزید غور وفکر کے بعد اور زیادہ کارآمد اور بامعنی بنایا جاسکے۔

نئی دہلی

ڈائریکٹر
نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

اس کتاب کے بارے میں

جدید ہندوستانی زبانوں میں اردو کو خاص مقام حاصل ہے۔ یہ زبان ملک کی مختلف ریاستوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ سہ لسانی فارمولے کے تحت بھی اردو کی تعلیم پر توجہ دی جاتی ہے۔

کونسل کے ذریعے تیار کردہ 'قومی درسیات کا خاکہ–2005' کی سفارشات کے بموجب مادری زبان کی تعلیم کے واسطے پہلی جماعت سے بارھویں جماعت تک اردو میں درسی اور معاون درسی کتب پہلے ہی مہیّا کی جا چکی ہیں۔ اب کونسل نے ثانوی زبان کی تعلیم کے لیے چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک اور تیسری زبان کی تعلیم کے لیے ساتویں جماعت سے دسویں جماعت تک اردو میں نئی درسی کتابیں تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

'قومی درسیات کا خاکہ–2005' کے تحت پیش کی جانے والی یہ کتاب یعنی 'جان پہچان' دسویں جماعت کے طالب علموں کو دوسری زبان کے طور پر اردو پڑھانے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اسکولوں میں دوسری زبان کی تعلیم کا آغاز چھٹی جماعت سے تجویز کیا گیا ہے اس لیے مذکورہ بالا درسی کتاب اردو کی تعلیم کے اس سلسلے کی پانچویں کتاب ہے۔ اس کتاب کا خاص مقصد طلبا کو بنیادی زبان سے واقف کرانا ہے تاکہ وہ مطلوبہ معیار کے مطابق صحیح اردو پڑھنا، بولنا اور لکھنا سیکھ جائیں۔ چھٹی سے دسویں جماعت تک کی ان درسی کتابوں کے ذریعے یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ طلبا کی زبان کا معیار بتدریج بلند ہوتا جائے۔ اس سلسلے کی ابتدائی کتابوں میں زبان کی تعلیم پر زور دیا گیا ہے اور اسباق کی تیاری میں بتدریج ادب کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں ایسے اسباق شامل ہیں جن کے مطالعے سے انسان دوستی، فرض شناسی، حب الوطنی، قومی یک جہتی اور خوش حال زندگی سے متعلق جذبات فروغ پا سکیں۔ اسباق کے ذریعے جدید سائنسی موضوعات، ماحولیات اور دیہی زندگی سے متعلق معلومات بھی بہم پہنچائی گئی ہے۔ امید کہ اس سلسلے کی کتابوں کے مطالعے سے طلبا میں صحیح اردو سمجھنے، بولنے، پڑھنے، لکھنے اور خیالات کے اظہار کی خاطر خواہ صلاحیت پیدا ہو سکے گی۔

اظہارِ تشکّر

اس کتاب میں اسمٰعیل میرٹھی کی 'حمد'، ساحر لدھیانوی کی نظم 'اے شریف انسانو'، کنھیا لال کپور کا انشائیہ 'بے تکلفی'، منشی پریم چند کی کہانی 'قول کا پاس'، احتشام حسین کا مضمون 'زبان کا گھر ہندوستان' محمد مجیب کا مضمون 'آدمی کی کہانی' حبیب تنویر کا ڈراما 'کارتوس' اور بشر نواز کی نظم 'قدم بڑھاؤ دوستو' شامل ہے۔ کونسل ان کے وارثین کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اس کتاب میں رتن سنگھ کی کہانی 'کاٹھ کا گھوڑا' شامل ہے۔کونسل ان کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں کاپی ایڈیٹر ارشاد نیر، ڈی ٹی پی آپریٹر ساجد خلیل فلاحی، اور کمپیوٹر اسٹیشن انچارج پرش رام کوشک نے دلچسپی سے حصہ لیا ہے۔کونسل ان سبھی کی شکرگزار ہے۔

اس کے علاوہ، پبلی کیشن ڈپارٹمنٹ کے کاپی ایڈیٹر توحید ناصر اور ڈی ٹی پی آپریٹر محمد عالم خان نے بھی اس کتاب کو حتمی شکل دینے میں تندہی سے کام کیا ہے لہٰذا کونسل ان کی بھی شکرگزار ہے۔

کمیٹی برائے درسی کتاب

چیئرمین، مشاورتی کمیٹی برائے زبان

نامور سنگھ، پروفیسر ایمریٹس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

خصوصی صلاح کار

شمیم حنفی، پروفیسر ایمریٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چیف کوآرڈی نیٹر

رام جنم شرما، سابق پروفیسر اور ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجیز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اراکین

ابن کنول، پروفیسر اور صدر، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ارشد عبدالحمید، لیکچرر، شعبہ اردو، گورنمنٹ پی۔ جی کالج، ٹونک

اقبال مسعود، جوائنٹ سکریٹری، مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال

سلیم شہزاد، اردو ٹیچر (ریٹائرڈ)، 323 منگل وار وارڈ، مالیگاؤں

سید حنیف احمد نقوی، پروفیسر (ریٹائرڈ)، شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی

شگفتہ پروین، پی جی ٹی (اردو)، جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول (سیکنڈ شفٹ)، نئی دہلی

شمس الحق عثمانی، پروفیسر اور صدر، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

صدیق الرحمٰن قدوائی، پروفیسر (ریٹائرڈ)، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

عتیق اللہ، پروفیسر (ریٹائرڈ)، دہلی یونیورسٹی، دہلی

محمد جنید عارف، لیکچرر اردو، ڈائٹ، بھوپال

ممبر کوآرڈی نیٹر

محمد نعمان خاں، (ریٹائرڈ) پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجیز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

بھارت کا آئین

تمہید

ہَم بھارت کے عوام متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بَھارَت کو ایک مقتدَر، سمَاج وَادی، غیر مَذھَبی عَوامی جَمھُوریَہ بنائیں اور اس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں۔

انصاف سماجی، معاشی اور سیاسی

آزادی خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت

مساوات بہ اعتبار حیثیت اور موقع اور ان سب میں

اخوت کو ترقی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کا تیقن ہو۔

اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج چھبیس نومبر 1949ء کو یہ آئین ذریعہ ہذا اختیار کرتے ہیں، وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

1۔ آئینی (بیالیسویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے سیکشن 2 کے ذریعہ ''مقتدر عوامی جمہوریہ'' کی جگہ (3-1-1977 سے)

2۔ آئینی (بیالیسویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے سیکشن 2 کے ذریعہ ''قوم کے اتحاد'' کی جگہ (3-1-1977 سے)

ترتیب

	پیش لفظ			iii
	اس کتاب کے بارے میں			v
1	حمد	نظم	اسمٰعیل میرٹھی	1
2	بے تکلّفی	انشائیہ	کنھیّا لال کپور	5
3	نیکی اور بدی	نظم	نظیؔر اکبرآبادی	12
4	قول کا پاس	کہانی	مُنشی پریم چند	17
5	ہستی اپنی حباب کی سی ہے	غزل	میر تقی میؔر	24
6	پانی کی آلودگی	مضمون		27
7	زبانوں کا گھر ہندوستان	مضمون	سیّد احتشام حسین	32
8	رباعیات		میر انیؔس	36
9	خدا کے نام خط	(ترجمہ اسپینی لوک کہانی)	گریگوریو لوپیز فو آنتے	39
10	ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر	مضمون	ادارہ	46
11	لائی حیات، آئے، قضا لے چلی، چلے	غزل	شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ	50
12	آدمی کی کہانی	مضمون	محمد مجیب	53
13	کوئی امّید بر نہیں آتی	غزل	مرزا غالبؔ	58
14	انٹرنٹ	مضمون	ادارہ	61
15	نئی روشنی	مکالمہ	ماخوذ	68
16	پہاڑ اور گلہری	نظم	اقبالؔ	74

17	رضیہ سلطان	مضمون	ماخوذ	79
18	کاٹھ کا گھوڑا	کہانی	رتن سنگھ	84
19	اے شریف انسانو !	نظم	ساؔحر لدھیانوی	92
20	اَونتی	(ترجمہ جاپانی لوک کہانی)	ماخوذ	96
21	کارتوس	ڈراما	حبیب تنویر	103
22	قدم بڑھاؤ دوستو !	نظم	بشؔر نواز	112

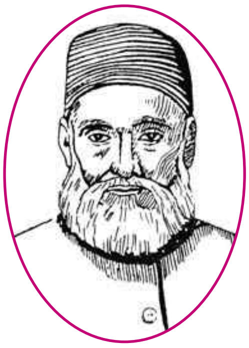

اسمٰعیل میرٹھی

(1844 – 1917)

محمد اسمٰعیل میرٹھی کی پیدائش میرٹھ میں ہوئی۔ اُنھیں بچپن سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ اپنے شوق اور محنت سے اُنھوں نے بڑی ترّقی کی۔ کم عمری میں ملازم ہوگئے۔ علم وادب کی دنیا میں نام پیدا کیا۔ اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے انھوں نے بچوں کی نفسیات، ذوق، شوق، دلچسپی، پسند اور ناپسند کا جائزہ لیا۔ اِنھیں تجربات کی مدد سے اُنھوں نے بچّوں کے لیے نظمیں لکھیں اور اردو کی درسی کتابیں تیار کیں۔ یہ کتابیں ہر زمانے میں مقبول ہوئیں اور آج بھی شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

اسمٰعیل میرٹھی نے ان کتابوں میں آسان اور سلیس زبان استعمال کی ہے۔ بچّوں کے مزاج اور ان کی ذہنی ضرورتوں کا خاص خیال رکھا ہے۔ ان کتابوں کی اہمیت اور ضرورت آج بھی مسلّم ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے نتائج پیدا کرنا اسمٰعیل میرٹھی کا خاص انداز ہے۔ بِلا شبہ وہ آج بھی بچّوں کے سب سے پسندیدہ اور اہم ادیب ہیں۔

حمد

تعریف اُس خدا کی جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی، کیا آسماں بنایا
مٹّی سے بیل بوٹے، کیا خوش نُما اُگائے
پہنا کے سبز خلعت ان کو جواں بنایا
سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی، روشنی بھی
کیا خوب چشمہ تونے، اے مہرباں بنایا

یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی
قدرت نے تیری اِن کو تسبیح خواں بنایا
رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسّر
ان نعمتوں کا تُجھ کو ہے قدرداں بنایا
ہر چیز سے ہے تیری کاری گری ٹپکتی
یہ کارخانہ تونے کب رائیگاں بنایا

(اسمٰعیل میرٹھی)

مشق

- **معنی یاد کیجیے:**

خوش نما : اچھّا دکھائی دینے والا، خوب صورت
خلعت : قیمتی لباس جو کسی بادشاہ یا امیر کی جانب سے کسی کو اعزاز کے طور پر دیا جائے
چشمہ : سَوتا، وہ جگہ جہاں زمین سے پھوٹ کر پانی نکلتا ہے
تسبیح خواں : خدا کی پاکی بیان کرنے والا، شاعر نے یہاں چہچہاتے ہوئے پرندوں کو تسبیح خواں کہا ہے
میسّر ہونا : حاصل ہونا
قدرداں : قدر کرنے والا
کارخانہ : کام کرنے کی جگہ، مراد دنیا
رائیگاں : بے کار، فضول

غور کیجیے

خدا تعالیٰ نے انسان کو بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں۔ ہمیں ان کی قدر کرنا چاہیے۔

سوچیے اور بتایئے:

1۔ شاعر نے بیل بوٹوں کو مٹّی سے اگایا ہوا کیوں کہا ہے؟

2۔ سورج کو چشمہ کیوں کہا گیا ہے؟

3۔ چڑیاں خدا کی تسبیح کیسے کرتی ہیں؟

4۔ آخری شعر میں کارخانے سے کیا مراد ہے؟

عملی کام

اس نظم کی روشنی میں نیچے دیے گئے مصرعے پر پانچ جملے لکھیے:

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا

کنھیّا لال کپور

(1910–1980)

کنھیّا لال کپور لاہور میں پیدا ہوئے۔ وہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور انگریزی کے استاد مقرّر ہو گئے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد ہندوستان آ گئے اور گورنمنٹ کالج موگا (پنجاب) میں پرنسپل کے عہدے پر ملازم ہو گئے، یہیں ان کا انتقال ہوا۔ طنز و مزاح ان کا خاص میدان ہے۔ پیروڈی لکھنے میں انھیں خاص مہارت حاصل تھی۔ زندگی کے عام تجربوں سے مزاح پیدا کر لینا ان کی ایک خاص پہچان ہے۔

'نوکِ نشتر'، 'بال و پر'، 'نرم گرم'، 'گردِ کارواں'، 'نازک خیالیاں'، 'نئے شگوفے'، 'سنگ و خشت'، 'شیشہ و تیشہ' اور 'کامریڈ شیخ چلّی' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

بے تکلّفی

کہنے کو تو استاد ذوقؔ فرما گئے ع

اے ذوقؔ تکلّف میں ہے تکلیف سراسر

لیکن یہ غور نہ فرمایا کہ اگر تکلّف میں تکلیف ہے تو بے تکلّفی میں کون سی راحت ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ وہ تکلّف بھی جس کی معراج ''پہلے آپ ہے'' بے تکلّفی سے بدر جہا بہتر ہے۔ فرض کیجیے آپ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہیں اور جہنم کا داروغہ آپ سے کہتا ہے ''تشریف لے چلیے'' اور آپ مسکرا کر نہایت لجاجت سے عرض کرتے ہیں، ''جی پہلے آپ''، تو عین ممکن ہے کہ آپ کے حسنِ اخلاق سے مرعوب ہو کر آپ کو جہنم کی بجائے جنّت میں بھجوا دے۔ اس کے برعکس اگر آپ کی داروغہ جنّت سے بے تکلّفی ہے تو ہو سکتا ہے کہ ہنسی مذاق میں وہ آپ کو باغِ بہشت کی کسی نہر میں اتنے غوطے دلوائے کہ آپ کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔

تکلّف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہینگ لگتی ہے نہ پھٹکری اور ظاہرداری جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ مثلاً آپ کے گھر کوئی صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ کہتے ہیں، ''کچھ منگواؤں آپ کے لیے؟'' وہ فرماتے ہیں ''اجی صاحب، تکلّف مت کیجیے۔''

''چائے پییں گے؟''

''شکریہ! ابھی پی ہے۔''

''سوڈا منگواؤں؟''

''نہیں صاحب، آپ تو خواہ مخواہ تکلّف کرتے ہیں۔''

''شربت پیجیے گا۔''

''واہ صاحب، آپ تو پھر تکلّف پر اُتر آئے۔''

''ٹھنڈا پانی پیجیے۔''

''اچھا صاحب، اگر آپ اصرار کرتے ہیں، تو پی لیں گے۔''

اب اگر اِنہیں حضرت سے آپ کی بے تکلّفی ہو تو آپ کو کتنی زحمت اٹھانی پڑے۔

''کھانا کھائیں گے آپ؟''

''ہاں ہاں ضرور کھائیں گے۔ لیکن کھانا کھانے سے پہلے چائے پییں گے۔''

''چائے منگواؤں؟''

''ضرور منگوایئے، لیکن پہلے سگریٹ پلایئے۔''

''چائے کے ساتھ کیا کھایئے گا؟''

''اماں یار، تمھیں معلوم تو ہے۔ پاؤ بھر گاجر کا حلوہ۔ دو آملیٹ، چار ٹوسٹ چھ سنبوسے۔ دس بارہ کریم رول اور ہاں ایک آدھ کیک ہو جائے تو سبحان اللہ! لیکن جلدی کیجیے۔''

بے تکلّفی میں یوں تو ہزاروں قباحتیں ہیں، لیکن سب سے بڑی یہ کہ بسا اوقات اس کے طفیل آپ کو سخت خفّت اٹھانی پڑتی ہے۔ آپ چند معزّز اشخاص سے نہایت عالمانہ انداز میں کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے ہیں کہ کوئی صاحب دروازے پر اس طرح دستک دیتے ہیں، گویا دروازہ توڑ کر ہی دم لیں گے۔ دو ایک منٹ دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد بلند آواز میں چلّانا شروع کر دیتے

ہیں'' ابے ....کہاں ہے؟'' دروازہ کھول۔ ابے نا ہنجار، سُنتا نہیں۔ ہم کب سے چلاّ رہے ہیں۔ ارے کوئی ہے۔ سب مر گئے کیا؟!

کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ آپ کے احباب پر نگاہِ غلط انداز ڈالتے ہیں اور نہایت متانت سے کہتے ہیں،'' معاف کیجیے گا صاحب، میری ان سے ذرا بے تکلّفی ہے۔''

یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ دو بے تکلّف دوستوں کے درمیان کچھ اس طرح گھِر جاتے ہیں کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ ان میں سے ایک دوسرے کو نہایت غلیظ گالی دیتا ہے اور آپ کی طرف عَفو طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہتا ہے'' برا نہ مانیے گا۔'' دوسرا جواب میں اسی طرح کی گالی دیتے ہوئے کہتا ہے'' معاف کیجیے گا'' ہم بہت دنوں کے بعد ملے ہیں۔'' اس معذرت کے بعد گالیوں کا وہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ آپ کو بے ساختہ اس بے تکلّفی کی داد دینا پڑتی ہے۔

ناولوں میں بے تکلّف دوستوں کی بڑی دلچسپ مثالیں ملتی ہیں۔ تھیکرےؔ ایک کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ صاحب جس دوست کے پاس ٹھہرتے تھے رخصت ہوتے وقت اس سے ایک قمیض ضرور مستعار لیا کرتے تھے۔ ہمارے ایک دوست اس معاملے میں تھیکرے کے اس کردار سے بازی لے گئے ہیں۔ وہ صرف قمیض پر اکتفا نہیں کرتے۔ ساری پوشاک کا مطالبہ کرتے ہیں۔ عموماً ٹیکسی میں سوار ہو کر ہمارے یہاں تشریف لاتے ہیں اور کمرے میں داخل ہوتے ہی فرماتے ہیں۔'' پانچ روپے کا ایک نوٹ نکالیے۔ ڈرائیور کو دفع کرلوں۔ پھر باتیں کریں گے۔'' یہ حضرت ہمیشہ ہماری عدم موجودگی میں واپسی کا کرم کرتے ہیں اور وداع ہوتے وقت نوکر سے کہہ جاتے ہیں'' وہ آئیں تو انھیں کہہ دیجیے گا کہ میں ان کا گرم کوٹ، خاکی ٹائی اور کالی پتلون ساتھ لے جا رہا ہوں۔ چند دن استعمال کر کے واپس کر دوں گا۔''

ہمارے ایک اور بے تکلّف دوست ہیں۔ وہ جہاں کہیں ہم سے ملتے ہیں، مصافحہ کرنے کے بجائے بار بار بغلگیر ہو کر بے تکلّفی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک بار انارکلی میں ملاقات ہوئی۔ بازار کے بیچ انھوں نے یہ عمل جو دہرانا شروع کیا تو راہگیر دانتوں میں انگلیاں داب کر رہ گئے۔ ہر دومنٹ کے بعد بغلگیر ہو کر کہتے'' بھئی خوب ملے۔'' یار، حد ہو گئی۔ وہ اس انداز سے مجھے اپنے بازوؤں کے شکنجے میں کس رہے تھے، گویا برسوں کے بعد ملے ہیں، حالانکہ اس ملاقات سے صرف دو دن پہلے مال روڈ پر ملے تھے اور وہاں بھی انھوں نے اسی قسم کی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

بے تکلّف دوست کی تو وہی مثال ہے کہ اسے وبالِ جان سمجھتے ہوئے بھی آپ وبالِ جان نہیں کہہ سکتے۔ اگر اس کے جی میں آئے تو آدھی رات کو آپ کے گھر آ دھمکے اور نہ صرف لذیذ کھانے کا مطالبہ کرے، بلکہ کہے کہ'' سوئیں گے بھی یہیں اور

سوئیں گے بھی آپ کے ساتھ۔'' دوپہر کے وقت آپ سو رہے ہوں تو قینچی لے کر ازراہِ مذاق آپ کی دونوں مونچھوں کا صفایا کر ڈالے۔ شدتِ درد سے آپ کراہ رہے ہوں تو بدتمیزی سے آپ کا منھ چڑانا شروع کر دے۔

بعض اوقات بے تکلف احباب ایسی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں کہ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں ''ہائے تکلف! ہائے تکلف!!'' ایک دفعہ مجھے دہلی جانا تھا۔ گاڑی کے آنے میں دیر تھی۔ پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا۔ اتنے میں ایک دوست سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھنے لگے' کہاں جا رہے ہو؟' میں 'دہلی'۔ کہنے لگے: ''دہلی جا کر کیا کروگے؟ چلو باٹا نگر لے چلیں۔'' میں نے معذرت چاہی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ یک لخت انھوں نے کہا ''ذرا ٹکٹ دیکھائیے تو'' میں نے ٹکٹ دکھایا۔ ٹکٹ لے کر انھوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور قلی سے کہنے لگے ''صاحب کا سامان واپس لے چلو، انھوں نے دہلی جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔''

انہیں صاحب نے ایک بار اس سے بھی عجیب حرکت کی۔ ایک دن میں دریا کے کنارے کھڑا ہوا، غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہا تھا، نہ جانے آپ کہاں سے آ ٹپکے۔ آپ نے آوَ دیکھا نہ تاوَ پیچھے سے مجھے اس زور سے دھکّا دیا کہ میں لڑکھڑاتا ہوا پانی میں جا گرا۔ آپ نہایت ڈھٹائی سے قہقہہ لگا کر فرمانے لگے ''واہ خوب چھلانگ لگائی آپ نے!'' جب میں بڑی مشکل سے تیر کر کنارے کے قریب پہنچا تو ایک قہقہہ لگا کر کہنے لگے ''مجھے معلوم نہ تھا، آپ اتنے اچھے تیراک بھی ہیں۔''

تکلّف کے خلاف آپ جو چاہیں کہیں لیکن آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تکلّف سراسر نفاست ہے۔ اور بے تکلفی سراسر کثافت۔ تکلّف ''پہلے آپ'' ہے تو بے تکلفی ''پہلے ہم اور جہنم میں جائیں آپ!''۔ تکلف گز بھر لمبا گھونگھٹ ہے تو بے تکلفی گز بھر لمبی زبان۔ تکلف زیرِ لب مسکراہٹ ہے تو بے تکلفی خندۂ بے باک۔

اب اگر اس پر بھی استاد ذوقؔ فرمائیں کہ ''تکلّف میں سراسر تکلیف ہے'' تو ہم تو یہی کہیں گے ''صاحب، آپ کو بے تکلّف دوستوں سے پالا ہی نہیں پڑا۔''

(کنھیّا لال کپور)

مشق

معنی یاد کیجیے:

تکلّف	:	تکلیف اٹھا کر کوئی کام کرنا، بناوٹ، ظاہرداری، دکھاوا
معراج	:	بلندی، اونچائی
شاہد	:	گواہ
راحت	:	آرام، آسائش
ناہنجار	:	بری چال چلنے والا
عفوطلب	:	معافی مانگنے والا
یک لخت	:	فوراً، اچانک
معذرت	:	عذر
مستعار	:	مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا
اکتفا	:	کافی سمجھنا، کفایت کرنا
عدم موجودگی	:	غیر حاضری
کرم	:	عنایت، مہربانی
وداع	:	رخصت، جدائی
غروب	:	سورج یا چاند کا ڈوبنا
نفاست	:	خوبی، عمدگی، لطافت
کثافت	:	غلاظت، گاڑھا پن

غور کیجیے:

☆ ضرورت سے زیادہ تکلّف اور بے تکلّفی دونوں ہی پریشانی کا سبب بن جاتے ہیں۔

سوچیے اور بتایئے:

1۔ بے تکلفی سے کیا پریشانی ہوتی ہے؟

2۔ تھیکرے نے اپنے ایک کردار کی بے تکلفی کا ذکر کس طرح کیا ہے؟

3۔ ''اے ذوقِ تکلف میں ہے تکلیف سراسر'' اس مصرعے میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

ہینگ لگے نہ پھٹکری   چھٹی کا دودھ یاد آنا   دانتوں میں انگلیاں دبانا

نیچے دیے ہوئے لفظوں سے واحد، جمع بنایئے:

ہاتھ   نشانات   جوتی   ٹوپیاں   فرض   احسانات

سوال   جنگل   جوابات   منزل

درج ذیل جملوں کو غور سے پڑھیے:

1. اکبر نے ایک کہانی پڑھی۔

2. حمید کھانا کھا رہا ہے۔

3. میں کل جے پور جاؤں گا۔

ان جملوں میں ''پڑھی''، ''کھا رہا ہے'' اور ''جاؤں گا'' سے کام کرنے کا وقت معلوم ہوتا ہے۔

پہلے جملے میں کہانی پڑھنے کا کام گزرے ہوئے وقت میں ہوا، اس زمانے کو ماضی کہتے ہیں۔

دوسرے جملے میں کھانے کا کام موجودہ وقت میں ہو رہا ہے۔ اس زمانے کو حال کہتے ہیں۔

تیسرے جملے میں جے پور جانے کا کام آنے والے وقت میں ہوگا۔ یہ زمانہ مستقبل کہلاتا ہے۔

عملی کام:

☆ اس سبق کے جن جملوں پر آپ کو ہنسی آتی ہو انھیں اپنی کاپی میں لکھیے۔

نظیرؔ اکبر آبادی

(1740-1830)

نظیرؔ اکبر آبادی کا پورا نام ولی محمّد تھا۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنے خاندان کے ساتھ آگرے میں آکر بس گئے۔ نظیرؔ عوامی شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں ہندوستانی ماحول کی عکّاسی کی گئی ہے۔ انھوں نے یہاں کے موسموں، میلوں، تہواروں اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ سامنے کے موضوعات کو سیدھی سادی زبان میں بیان کرنا نظیرؔ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ ان کے پاس الفاظ کا غیر معمولی ذخیرہ تھا۔ وہ موقعے اور موضوع کے اعتبار سے مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں تاثیر بہت ہے۔

'روٹیاں'، ' بنجارا نامہ'، ' مفلسی'، ' ہولی'، ' آدمی نامہ' اور' کرشن کنھیّا کا بال پن' وغیرہ ان کی مشہور نظمیں ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے مختلف موسموں، پھلوں اور شخصیتوں پر نظیرؔ کی نظمیں بھی اپنی خاص پہچان رکھتی ہیں۔ وہ اردو کے معروف شاعر ہیں۔

نیکی اور بدی

ہے دُنیا جس کا ناؤں میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سَستوں کو یہ سَستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اُٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
گر مَست کرے تو مستی ہے اور پَست کرے تو پستی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ مِلے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے تو پھر اُس کو بھی مان مِلے
جو پان کِھلاوے پان ملے، جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے نقصان ملے، احسان کرے احسان ملے
جو جیسا جس کے ساتھ کرے، پھر ویسا اس کو آن ملے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ مِلے یاں سودا دست بدستی ہے

جو پار اُتارے اوروں کو اس کی بھی ناؤ اُترنی ہے
جو غرق کرے پھر اس کو بھی یاں ڈُبکوں ڈُبکوں کرنی ہے
شمشیر، تبر، بندوق، سناں اور نشتر، تیر، نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ مِلے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کا اونچا بول کرے تو اُس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اُس کو بھی پھر کوئی پٹکنے والا ہے
بے ظُلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندّی نالا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

(نظیرؔ اکبرآبادی)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

عدل پرستی	:	انصاف پرستی
شمشیر	:	تلوار
تبر	:	کلہاڑی جیسا بڑا ہتھیار
سناں	:	بھالا
بالا	:	اونچا، بلند
دست بدستی	:	ہاتھوں ہاتھ، ''ایک ہاتھ سے دینا، دوسرے ہاتھ سے لینا''، کسی چیز کا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچانا

نان	:	روٹی
غرق کرنا	:	ڈبونا
نہرنی	:	ناخن کاٹنے کا آلہ

● غور کیجیے:

☆ اس نظم میں ناؤں، یاں اور لوہو جیسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے یہ الفاظ رائج تھے۔ آج کل ناؤں کو نام، یاں کو یہاں اور لوہو کو لہو کہا جاتا ہے۔

☆ نظم میں ایک لفظ ''ذبح'' بھی آیا ہے۔ اس کا صحیح تلفّظ 'ب' اور 'ح' پر جزم کے ساتھ ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

1۔ نظم کے پہلے بند میں دنیا کو کس طرح کی بستی بتایا گیا ہے؟

2۔ 'کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

3۔ کس کی ناؤ پار اترتی ہے؟

4۔ ظالم کو ظلم کا کیا بدلہ ملتا ہے؟

● نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

1۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی

2۔ بول بالا ہونا

3۔ پار اتارنا

4۔ مان رکھنا

• خالی جگہوں میں اسم یا فعل بھریے:

1. یہ دنیا اور طرح کی ....ہے۔
2. یہاں ہر دم جھگڑے ....رہتے ہیں۔
3. جو اوروں کو پار اتارتا ہے اس کی ناؤ بھی پار ....جاتی ہے۔

• عملی کام:

☆ آپ کو جو محاورے یاد ہیں ان میں سے تین محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

منشی پریم چند

(1880 – 1936)

پریم چند کی پیدائش بنارس کے ایک گاؤں لمہی میں ہوئی۔ ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں ہوئی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد 1899 میں بنارس کے قریب چُنار گڑھ کے ایک مِشن اسکول میں اسسٹنٹ ماسٹر کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ 1905 میں کان پور کے ضلع اسکول میں استاد کی حیثیت سے ان کا تقرّر ہوا۔

پریم چند کو لکھنے کا شوق بچپن سے تھا۔ انھوں نے زندگی کے دکھ درد کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے مسائل ان کی تحریروں کا موضوع بن گئے۔ ان کی زبان بہت سادہ اور سلیس تھی۔ ان کے بیشتر ناول اور افسانے دیہاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

پریم چند نے تقریباً ایک درجن ناول اور تین سو سے زیادہ افسانے لکھے۔ ان کا شمار اردو کے اہم ترین ناول اور افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

'نرملا'، 'بیوہ'، 'میدانِ عمل'، 'بازارِ حسن' اور 'گئودان' ان کے مشہور ناول ہیں۔

قول کا پاس

اکبر بادشاہ مغلوں کا بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے لڑائیاں لڑکر ہندوستان کا بہت سا حصّہ فتح کر لیا تھا۔ ایک راجپوتانہ رہ گیا تھا، اکبر نے چاہا کہ اسے بھی فتح کر لے اور وہاں بھی سلطنت کرے۔ یہ ارادہ کر کے راجپوتانہ پر فوج کشی کی۔ راجپوت اپنا ملک بچانے کے لیے لڑے تو بڑی بہادری سے، مگر آخر کار ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ راجپوتوں کا سردار رانا پرتاپ سنگھ اپنے بال بچّوں کو لے کر کسی جنگل میں جا چھُپا۔

راجپوتوں کے ایک سردار کا نام رگھوپت تھا۔ یہ بڑا بہادر اور جَری تھا۔ اس نے کچھ لوگ اپنی فوج میں داخل کر لیے تھے اور ان کو ساتھ لے کر لڑا کرتا تھا۔ اس نے بہادری میں ایسا نام پیدا کر لیا تھا کہ بڑے بڑے مغل اس کا نام سن کر گھبرا جاتے تھے۔ اکبر کے سپاہیوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح اس کو پکڑ لیں مگر وہ ایک جگہ کب رہتا تھا جو اسے پکڑ سکتے۔

رگھوپت سنگھ کی ایک بیوی تھی اور ایک اکلوتا بیٹا تھا۔ جب وہ اپنے دشمنوں سے لڑنے کو گھر سے نکلا تھا، اس کا بیٹا بہت بیمار تھا۔لیکن اس نے نہ تو اپنے بیمار بچّے کا خیال کیا، نہ بیوی کا۔مغلوں سے لڑنے کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ہاں کبھی کبھی چوری چھُپے سے کسی کو گھر بھیج دیتا تھا اور بیوی بچّے کی خبر منگوالیا کرتا تھا۔

رگھوپت سنگھ کو پکڑنے کو اکبر بادشاہ نے بہت سی فوج بھیجی مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ پھر بادشاہ نے اس کے گھر پر پہرہ بٹھا دیا۔ اکبر کا خیال تھا کہ کسی دن رگھوپت سنگھ اپنے بال بچّے سے ملنے کو ضرور گھر آئے گا۔بس اسی دن سپاہی اس کو پکڑ لیں گے۔ ادھر کسی نے رگھوپت سنگھ کو خبر کر دی کہ تیرا بیٹا گھڑی دو گھڑی کا مہمان ہے، چل کر اُسے دیکھ لے۔

یہ سن کر رگھوپت سنگھ بہت گھبرایا۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ جنگل میں سفر کرنے کا وقت تو نہیں تھا مگر رگھوپت نے سوچا کہ ''اگر میں نے ذرا بھی دیر کی تو شاید میں لڑکے کی صورت بھی نہ دیکھ سکوں۔ اسی وقت چلنا چاہیے۔'' رگھوپت سنگھ اسی وقت چلنے کو تیار ہو گیا۔ جب رگھوپت سنگھ گھر پہنچا تو دروازے پر اکبر بادشاہ کے سپاہیوں میں سے ایک پہرہ دار نے کہا ''بادشاہ کا حکم ہے کہ تم جہاں ملو، پکڑ لیے جاؤ۔'' رگھوپت سنگھ نے کہا ''میرا لڑکا مر رہا ہے، اسے دیکھنے آیا ہوں، ذرا دیر کے لیے مجھے اندر چلا جانے دو، ابھی دیکھ کر لوٹ آتا ہوں۔ اس وقت جو جی چاہے کر لینا۔ میں راجپوت ہوں، جھوٹ ہرگز نہ بولوں گا۔''

اس پہرہ والے سپاہی نے کہا ''دیکھ آؤ۔'' جب رگھوپت سنگھ گھر میں گیا تو دیکھا کہ لڑکا بے چین ہو رہا ہے اور بیوی فکر کے مارے بے حال ہو رہی ہے۔ میاں کو دیکھ کر بیوی کی ڈھارس بندھی۔ رگھوپت سنگھ نے بچّے کو پیار کیا اور دوا کی تدبیریں بتائیں۔ پھر اپنی بیوی سے کہا۔ ''دروازے پر سپاہی کھڑا ہے، میں کہہ آیا ہوں کہ میں قید ہونے کو ابھی واپس آتا ہوں۔'' بیوی نے کہا۔ ''ایسا نہ کرو، دوسرے دروازے سے نکل جاؤ'' رگھوپت نے کہا ''یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں قول دے چکا ہوں، اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔''

یہ کہہ کر وہ دروازے پر آیا اور سپاہی سے کہنے لگا ''لو میں آ گیا اب مجھے پکڑ کر جہاں چاہو لے چلو۔'' سپاہی نے کہا ''تمھیں پکڑنے کو میرا جی نہیں چاہتا، تم بھاگ جاؤ۔'' رگھوپت نے کہا ''بہت بہتر، تم نے اس وقت میری مدد کی ہے، جب تم پر بُرا وقت آئے گا تو میں بھی تمھاری مدد کروں گا۔ یہ کہہ کر رگھوپت آگے بڑھا اور غائب ہو گیا۔

اس بات کو تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ مغلوں کا ایک افسر کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر آ پہنچا۔ پہرے والے سے کہا ''ہم نے سنا ہے رگھوپت اِدھر آیا ہے'' پہرے والے نے سچ سچ کہہ دیا کہ ''رگھوپت سنگھ اپنے بیمار بیٹے کو دیکھنے آیا تھا اور میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی'' یہ سن کر افسر نے پہرہ دار کو قید کر لیا۔ رگھوپت سنگھ کو بھی سپاہی کے قید ہونے کی خبر مل گئی۔ وہ اسی وقت واپس آیا اور آ کر مغل افسر کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہا کہ ''میں رگھوپت ہوں، میں واپس آ گیا ہوں، مجھے پکڑ لو اور اس بے گناہ قیدی کو چھوڑ دو۔'' افسر نے رگھوپت کو پکڑ لیا اور قید خانے میں ڈال دیا لیکن سپاہی کو نہ چھوڑا، افسر نے دونوں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔

دوسرے دن سپاہی رگھوپت اور پہرہ دار کو میدان میں لائے کہ ان کو قتل کیا جائے۔ دونوں کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ مغل افسر نے جلاّد سے کہا کہ دونوں کی گردنیں اُڑا دو۔ جلاّد نے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ لوگوں نے دیکھا تو اکبر بادشاہ اپنے افسروں کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ سب نے جھک کر سلام کیا۔ اکبر گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور کہنے لگا ''رگھوپت کی گرفتاری کا پورا حال مجھ کو معلوم ہو چکا ہے۔'' پھر پہرہ دار سے کہا ''ہر بھلے آدمی کا دل دوسروں کا دکھ دیکھ کر پگھل جاتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس راجپوت کی تکلیف دیکھ کر تمھارا دل بھر آیا تھا۔ اس لیے تم نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے بھی تو میں نے معاف کیا۔ مجھے ایسے ہی سپاہی چاہیے۔ جو اپنے بادشاہ سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہے۔'' یہ سنتے ہی پہرہ دار خوشی سے پھولا نہ سمایا۔

پھر اکبر نے رگھوپت کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''مجھے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ بہادر راجپوت بات کے اتنے دھنی ہوتے ہیں۔ تمھاری بہادری اور ایفائے وعدہ سے میں بہت خوش ہوا، میں نے تم کو بھی چھوڑا۔'' رگھوپت سنگھ گھٹنوں کے بل زمین پر جھک گیا اور کہا ''آپ جس رگھوپت کو اتنی مشکل سے بھی جیت نہ سکے، آج اپنی دریا دلی دکھا کر آپ نے اسے جیت لیا۔ آپ بہادروں کی

وقعت کرانا جانتے ہیں۔ اب میں کبھی آپ کا دشمن ہو کر تلوار نہ اٹھاؤں گا۔''

جو آدمی اپنے وعدے کے پکّے ہوتے ہیں اور سچائی پر جمے رہتے ہیں اور دوسرے کے دکھ میں مدد کرتے ہیں خدا ہمیشہ ان کی مدد کرتا ہے۔

(منشی پریم چند)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

فتح	:	جیت
فوج کشی	:	حملہ، چڑھائی
جَری	:	جنگجو، بہادر
قول	:	وعدہ
دریا دِلی	:	فراخ دلی
وقعت	:	عزّت

● غور کیجیے:

☆ انسان کو اپنے وعدے کا پکّا ہونا چاہیے۔ جو لوگ وعدے کے سچّے ہوتے ہیں انھیں زندگی میں عزّت اور کامیابی ضرور ملتی ہے۔

سوچیے اور بتایئے:

1۔ اکبر کس خاندان کا بادشاہ تھا؟
2۔ راجپوتوں کے اس سردار کا نام کیا تھا، وہ جنگل میں کیوں چھپ گیا تھا؟
3۔ رگھوپت نے پہرے دار کی مدد کس طرح کی؟
4۔ اکبر، رگھوپت کی کس بات سے متاثر ہو گیا؟
5۔ اکبر نے رگھوپت کا دل کس طرح جیت لیا؟

نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنایئے:

سلطنت فوج پہرے دار تدبیر قصور

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

دروازے وعدے اکبر سپاہی رگھوپت

1۔ .... بادشاہ مغلوں کا بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔
2۔ راجپوتوں کے ایک سردار کا نام .... تھا۔
3۔ بیوی نے کہا "ایسا نہ کرو، دوسرے .... سے نکل جاؤ۔"
4۔ دوسرے دن .... رگھوپت اور پہرے دار کو میدان میں لائے۔
5۔ جو آدمی اپنے .... کے پکّے ہوتے ہیں خدا ہمیشہ ان کی مدد کرتا ہے۔

نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے واحد کی جمع اور جمع کی واحد بنایئے:

افواج تدابیر مدد ملک سفر

- **نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے مذکّر سے مؤنّث اور مؤنّث سے مذکّر بنائیے:**

بادشاہ　　گھوڑا　　لڑکا　　عورت　　بیٹی

- **نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:**

پاؤں اُکھڑنا　　ڈھارس بندھنا　　قول دینا　　دل بھر آنا　　پھولا نہ سمانا

- **نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:**

سچائی　　دکھ　　بہادر　　قید　　دشمن　　محبت

- **اسم خاص اور اسم عام کو الگ الگ کیجیے:**

اکبر　　بادشاہ　　بہادر　　رگھوپت　　بیٹا　　راجپوتانہ　　گھوڑا

- **عملی کام:**

☆ اس سبق سے کیا نصیحت ملتی ہے اپنے الفاظ میں لکھیے۔
☆ اکبر کی شخصیت پر پانچ جملے لکھیے۔

میر تقی میرؔ

(1722 – 1810)

میر تقی میرؔ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ابھی بچّے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دن بعد وہ دلی میں آبسے۔ دلی کی زندگی میں جب انتشار پیدا ہونے لگا تو میرؔ تلاشِ معاش میں لکھنؤ چلے گئے۔ باقی زندگی لکھنؤ ہی میں گزاری اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

میرؔ کلاسیکی اردو غزل کے ایک بڑے شاعر ہیں۔ وہ اردو غزل کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ سادہ اور عام فہم الفاظ میں سوز و گداز کی کیفیات پیدا کرنے میں میرؔ کا کوئی ثانی نہیں۔ غزلوں کے علاوہ شاعری کی دوسری اصناف میں بھی انھوں نے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ ان کی مثنویوں 'بہارِ عشق'، 'شعلۂ عشق' اور 'دریائے عشق' کو بھی بہت شہرت ملی۔ فارسی میں اردو شعرا کا ایک تذکرہ، ''نکات الشّعرا'' اور ''ذکرِ میر'' کے عنوان سے اپنی سوانح حیات بھی لکھی ہے۔ انھیں خدائے سخن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

غزل

ہستی اپنی حباب کی سی ہے — یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازُکی اس کے لب کی کیا کہیے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں — حالت اب اضطراب کی سی ہے
میں جو بولا، کہا کہ یہ آواز — اُسی خانہ خراب کی سی ہے
میرؔ اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

(میرؔ تقی میرؔ)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

ہستی	:	وجود
نازکی	:	نزاکت
حباب	:	بُلبُلہ
نمائش	:	دکھاوا، مراد دنیا

اضطراب	:	بے چینی
خانہ خراب	:	جس کا گھر برباد ہو گیا ہو، مراد عاشق
نیم باز	:	اَدھ کھلی

• غور کیجیے:

☆ غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلّص استعمال کرتا ہے، اسے مقطع کہتے ہیں۔

☆ تیز دھوپ میں ریگستان کو دیکھیں تو کچھ دوری پر پانی چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ دراصل ریت ہی ہوتی ہے، پانی ہونے کا صرف دھوکا ہوتا ہے۔ اسی کو سراب کہتے ہیں اور اسی وجہ سے سراب کے ایک معنی ''دھوکا'' ہیں۔

☆ غزل کے دوسرے شعر میں ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی جیسا بتایا گیا ہے، اسے تشبیہ کہتے ہیں۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ انسانی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟

2۔ بے چینی کے عالم میں شاعر پر کیا بیت رہی ہے؟

3۔ شعر میں خانہ خراب کسے کہا گیا ہے؟

• عملی کام:

☆ آپ جانتے ہیں کہ کسی چیز، آدمی یا جگہ کے نام کو اسم کہا جاتا ہے۔ میؔر کی غزل میں جتنے اسموں کا استعمال ہوا ہے، ان کی ایک فہرست بنائیے۔

☆ میؔر کے کچھ اور اشعار یاد کیجیے۔

پانی کی آلودگی

ہوا، پانی اور غذا ہماری صحت اور زندگی کے لیےضروری ہیں۔ بے احتیاطی اور بے قاعدگی سے ان چیزوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔کھانے کی چیزیں اگر کھُلی چھوڑ دی جائیں تو مکھیاں، گرد اور بیماری پھیلانے والے جراثیم، اُن کو آلودہ کر دیتے ہیں۔گرد و غبار، کارخانوں سے نکلنے والا دھواں اور مہلک گیسیں ہوا میں آلودگی پیدا کر دیتی ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پینے کے پانی کے ذخیرے کس طرح آلودہ ہوتے ہیں؟ باؤلیوں، تالابوں اور نہروں کے پانی میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں، مویشیوں کو نہلایا جاتا ہے، انسان بھی وہیں نہاتے ہیں، اس طرح انسانوں اور جانوروں کی ساری گندگیاں باؤلیوں اور تالابوں میں داخل ہو جاتی ہیں اور پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔نالیوں کی گندگی اور

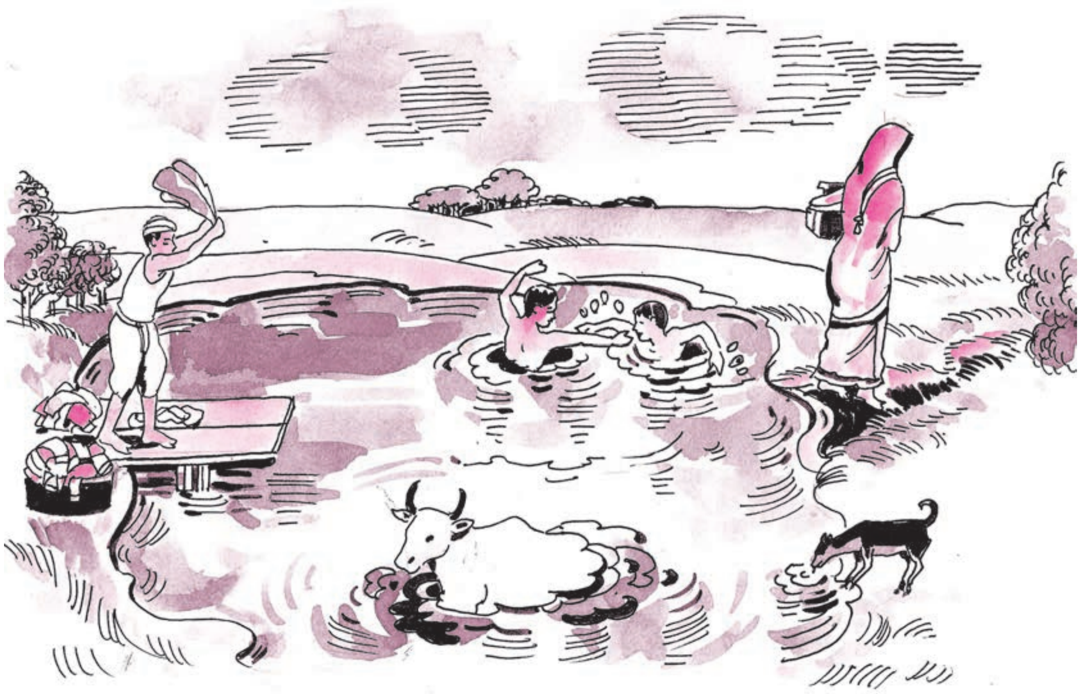

کوڑا کرکٹ بھی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ کارخانوں سے نکلنے والا میل کچیل اور کیڑے مار دواؤں کا چھڑکاؤ بھی پانی کی آلودگی میں اضافہ کرتا ہے۔اس قسم کی گندگیاں پانی میں آکسیجن کی مقدار کم کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے مچھلیاں مرجاتی ہیں۔

بارش کا پانی قدرتی طور پر صاف ستھرا اور پینے کے قابل ہوتا ہے۔ جب وہ زمین پر بہتا ہے تو نالوں کی شکل میں بہتا ہوا ندیوں اور تالابوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس پانی میں مٹّی کے ذرّات،نمکیات اور دوسرے مادّے بھی شامل ہوجاتے ہیں۔اس وجہ سے یہ پانی گدلا ہو جاتا ہے اور پیچش،قبض، پیٹ کا درد اور ہیضہ جیسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں۔

آلودہ پانی کو پینے کے قابل بنانے کے لیے اسے جوش دے کر ٹھنڈا کریں اور

چھان کر کسی صاف برتن میں رکھیں۔ پانی کو جوش دیتے وقت دو چٹکی پوٹاشیم پرمیگنیٹ ڈالنے سے جراثیم مر جاتے ہیں۔ گدلا پانی صاف کرنے کے لیے اس میں پھٹکری کے ٹکڑے ڈالنے کے بعد کپڑے سے چھان لینا چاہیے۔ اس طرح مٹّی کے ذرّات تہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور پانی صاف ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پانی کے نلوں کو گندی نالیوں سے دور رکھا جائے۔

مشق

• معنی یاد کیجیے:

آلودگی	:	ملاوٹ، گندگی، میلا پن
بے احتیاطی	:	لاپروائی
بے قاعدگی	:	بے ترتیبی

جراثیم	:	کیڑے مکوڑے
آلودہ	:	گندا
ذرّات	:	ذرّہ کی جمع، ریزے، چھوٹے ٹکڑے
نمکیات	:	کھاری چیزیں

● غور کیجیے:

صحت کے لیے ہوا، پانی اور غذا ضروری ہے۔

جانوروں اور انسانوں کے نہانے سے باؤلیوں اور تالابوں کا پانی گندا ہو جاتا ہے۔

بیماریوں کے پھیلنے کی ایک وجہ گندے پانی کا استعمال بھی ہے۔

آلودہ پانی کو پینے کے لائق بنانے کے لیے خوب اُبالنا چاہیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

1۔ آلودگی سے کیا مراد ہے؟

2۔ کھانے پینے کی چیزیں کس طرح آلودہ ہو جاتی ہیں؟

3۔ پانی حاصل کرنے کے قدرتی ذریعے کون کون سے ہیں؟

4۔ پانی کی آلودگی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟

5. شہروں کی گندگی کس طرح دریاؤں میں شامل ہو جاتی ہے؟

6. آلودہ پانی کو پینے کے قابل کیسے بنایا جاتا ہے؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

صحت آلودگی گرد و غبار جراثیم دریا قدرتی تالاب

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

پانی آلودہ بارش جراثیم

1. تالابوں کا پانی جانوروں کے نہانے سے ....ہو جاتا ہے۔
2. صحت کے لیے صاف ....ضروری ہے۔
3. ....کا پانی قدرتی طور پر صاف ہوتا ہے۔
4. مکھّیاں ....پھیلاتی ہیں۔

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے:

اقسام ذرّات خرابی ذخیرہ

• عملی کام:

☆ پانی کی آلودگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

سیّد احتشام حسین

(1912 – 1972)

پروفیسر سیّد احتشام حسین کی پیدائش قصبہ ماہل، ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں ہوئی۔ یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے الہ آباد آگئے۔ یہیں ان کا انتقال ہوا۔ احتشام حسین کا شمار اردو کے صفِ اوّل کے نقّادوں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنّف تھے۔ 'تنقیدی جائزے'، 'روایت اور بغاوت'، 'ادب اور سماج'، 'ذوقِ ادب اور شعور'، 'افکار و مسائل' اور 'اعتبارِ نظر' ان کی اہم کتابیں ہیں۔ انھوں نے امریکہ اور یورپ کا ایک سفر نامہ بھی لکھا ہے۔ انھوں نے بچّوں کے لیے '' اردو کی کہانی'' لکھی۔ اس کتاب میں اردو زبان اور ادب کی تاریخ مختصر طور سے بہت ہی آسان اور دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے۔

یہ سبق ان کی کتاب 'اردو کی کہانی' سے لیا گیا ہے۔

زبانوں کا گھر، ہندوستان

ہندوستان ایک لمبا چوڑا دیش ہے جس میں کہیں اُونچے پہاڑ اور گہری ندیاں راستہ روکتی ہیں۔ کہیں پھیلے ریگستان ہیں جن میں آبادی کم ہے۔ کہیں زمین سونا اُگلتی ہے، کہیں بنجر ہے اور کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کے بسنے والوں کو دیکھو تو کالے بھی ہیں اور گورے بھی، خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی، لمبے قد والے بھی ہیں اور چھوٹے قد والے بھی، جنگلیوں کی طرح زندگی بسر کرنے والے بھی ہیں، اور بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے بھی۔ یہاں نہ جانے کتنی طرح کے لوگ ملتے ہیں، اور کتنی طرح کی زبانیں اور بولیاں بولتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کو ہندوستان میں بسے ہوئے پانچ ہزار برس سے بھی زیادہ ہوگئے۔ کچھ ایسے ہیں جو تھوڑے ہی دنوں سے یہاں آباد ہیں۔ ایسے دیش میں عجیب عجیب ڈھنگ کی قومیں ہوں گی اور عجیب عجیب زبانیں، لیکن اِس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ تو اِس مُلک کے بڑے ہونے کی نشانی ہے کہ اِس میں الگ الگ ہونے پر بھی سب کے مِل جُل کر رہنے کی گنجائش ہے۔

یہ بتانا کٹھن ہے کہ پانچ ہزار برس پہلے یہاں کون لوگ بستے تھے۔ مگر اب بہت سے لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ اس زمانے سے یہاں دوُر دوُر کے لوگ آنے لگے۔ اتنا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ہے کہ پہلے دنیا کے زیادہ تر لوگ وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور کھانے پینے کی کھوج میں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ جانوروں کا شکار کرتے تھے یا درختوں کے پھل، پتّے اور جڑ کھا کر پیٹ بھرتے تھے۔ اِن میں کے کچھ لوگ یہاں بھی پہنچے۔ اُن کی نسل کے لوگ اب بھی بنگال، بہار، چھوٹا ناگپور اور وندھیاچل کے پہاڑوں کے قریب پائے جاتے ہیں۔ وہ جو زبان بولتے تھے وہ آج بھی الگ ہے۔ ان میں سے کول اور منڈا قبیلے مشہور ہیں اور اپنی بولیاں بولتے ہیں (یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو کوئی بولی بولتی نہ ہو۔ یہی بات تمام انسانوں میں ملتی ہے)۔ اُن کے ہزار ڈیڑھ ہزار برس کے بعد دراوڑ لوگ پچھّم کی طرف سے آئے، وہ لوگ جنھیں دراوڑ کہا جاتا ہے۔ یہاں انھوں نے خوب ترقّی کی، آج بھی مدراس، میسور، آندھرا پردیش اور کیرل میں یہی لوگ آباد ہیں۔ تم نے تامل، تیلگو زبانوں کے نام سنے ہوں گے۔ یہ اُنھیں لوگوں کی زبانیں ہیں۔

یہ تو تھا ہندوستان کا حال۔ باہر ایران، چین اور ترکستان وغیرہ میں ایک اور قوم جسے عام طور سے تاریخ میں آریہ کہا جاتا

ہے ترقّی کر رہی تھی۔ یہ لوگ بہادر تھے، اچھّی شکل رکھتے تھے، گھوڑے سے کام لینا اور کھیتی کرنا جانتے تھے۔ کوئی ساڑھے تین ہزار برس ہوئے یہ لوگ ہندوستان میں آئے اور انھوں نے یہاں کے پُرانے بسنے والوں کو ہرا کر اتّری بھارت میں اپنا راج قائم کیا۔ ان لوگوں نے بہت سی نظمیں، بھجن اور گیت لکھے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ لوگ جو زبان بولتے تھے اُسے آریائی زبان کہتے ہیں۔ سنسکرت اُسی کی ایک شاخ ہے۔ یونانی، جرمن، پُرانے زمانے کی فارسی اور یورپ کی کئی زبانیں اِسی خاندان سے تعلّق رکھتی ہیں اور جب تم آگے بڑھ کر اِن زبانوں کو پڑھوگے تو معلوم ہوگا کہ سب ایک دوسرے سے ملتی جُلتی ہیں۔ زبانوں کی کہانی بڑی لمبی ہے۔ مزے دار ہے مگر یہاں اُس کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، بس یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سنسکرت اُنھیں ہندوستانی آریوں کی زبان تھی۔ تمام لوگ سنسکرت نہیں بول سکتے تھے۔ یہاں پُرانے بسنے والے یا تو اپنی پُرانی بولیاں بولتے تھے یا ملی جُلی زبانیں۔ دھیرے دھیرے یہ ہوا کہ سنسکرت اُونچے ذات کے ہندوؤں کی زبان ہوکر رہ گئی، عام لوگ اُس سے دُور ہو گئے۔ یہ لوگ جو زبانیں بولتے تھے اُن کو پراکرت کہتے ہیں۔ پراکرت ایک زبان نہیں تھی بلکہ الگ الگ علاقوں کی الگ الگ پراکرتیں تھیں۔

ہندوستان لمبا چوڑا ملک تو ہے ہی، کسی حصّے میں کوئی پراکرت بولی جاتی تھی کسی میں کوئی۔ اب جو بدھ مت کا مقابلہ کرنے کے لیے سادھو اور سنت پیدا ہوئے تو انھوں نے بھی عام لوگوں پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے پراکرتوں ہی میں گیت اور بھجن لکھے اور دھرم کرم کی باتیں کیں۔ اس وقت دوسری پراکرتوں یا زبانوں کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، اُتّری بھارت میں جو پراکرت بولی جاتی تھی، ہمیں اِسی سے کام ہے۔ اِس پراکرت کو شورسینی کہتے تھے۔ اُسی کے پیٹ سے وہ بھاشائیں پیدا ہوئیں جن کو ہندوستانی، ہندی اور اُردو کہتے ہیں۔

بنگالی، مراٹھی، گجراتی، پنجابی، سندھی، آسامی اور اُڑیا بھی نئی آریائی زبانیں ہیں۔ یہ بھی تاریخ کا ایک دلچسپ اتّفاق ہے کہ جب مُسلمان ہندوستان میں آئے تو اِن زبانوں کی بھی ترقّی ہوئی۔

اگر اُوپر لکھی ہوئی باتیں یاد رکھی جائیں تو آگے کی کہانی اور زیادہ سمجھ میں آئے گی۔ اور معلوم ہوگا کہ 1000ء کے بعد سے جو نئی زبانیں ہندوستان میں بولی جانے لگیں، ان میں ایک اُردو زبان بھی ہے۔ یہ زبان کہیں باہر سے نہیں آئی، یہیں پیدا ہوئی اور یہیں کے لوگوں نے اُسے ترقّی دی۔ اس کی بناوٹ، اِس کا رنگ روپ سب ہندوستانی ہے، اگر یہ زبان کسی دوسرے ملک میں بھی بولی جانے لگے تو یہ وہاں کی زبان نہیں بن جائے گی۔ ہندوستانی ہی رہے گی۔

(احتشام حسین)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

دیش	:	ملک، دیس
قبیلہ	:	گروہ
پراکرت	:	عوامی بولی، عام بول چال کی زبان

• غور کیجیے:

☆ اردو کا جنم ہندوستان میں ہوا۔ اس کا تعلق ہندآریائی خاندان سے ہے۔ اردو گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے جس کی تشکیل میں ہندوستان کی مختلف بولیوں اور زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔

• سوچیے اور بتایئے:

1۔ ہندوستان کی خصوصیات کیا ہیں؟
2۔ ہندوستان کی قبائلی نسلوں کے نام کیا ہیں؟
3۔ دراوڑ کون سی زبانیں بولتے ہیں؟
4۔ سنسکرت کس زبان کی شاخ ہے؟
5۔ اُتّر بھارت میں کون سی پراکرت بولی جاتی تھی؟
6۔ ہندآریائی زبانیں کون کون سی ہیں؟
7۔ اردو کہاں پیدا ہوئی اور کس زبان سے نکلی ہے؟

• عملی کام:

☆ استاد کی مدد سے اردو زبان سے متعلق ایک مضمون لکھیے۔

میر انیسؔ

(1802 – 1874)

میر انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام میر ببر علی تھا۔ ان کے والد میر خلیق بھی ایک معروف مرثیہ گو تھے۔ مرثیہ گوئی کی تاریخ میں میر انیسؔ کا بڑا مرتبہ ہے۔ انیس کے مرثیے کی بہت سی خوبیوں میں بیان کی صفائی، سلاست اور جذبات نگاری کی خاص اہمیت ہے۔ مناظر فطرت کی تصویر کشی اور ڈرامائی تاثر کو ابھارنے میں بھی انھیں بڑی مہارت تھی۔

میر انیسؔ نے مرثیوں کے علاوہ رباعیاں، نوحے اور سلام بھی لکھے ہیں لیکن اردو شاعری کی تاریخ میں وہ اپنے مرثیوں کی ہی وجہ سے ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

رباعیات

(1)

رُتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

(2)

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

مشق

• معنی یاد کیجیے:

رُتبہ	:	مرتبہ، درجہ
فروتنی	:	انکساری، عاجزی
تہی مغز	:	جن کا دماغ خالی ہو، مراد کم عقل لوگ
ثنا	:	تعریف
ظرف	:	برتن
صدا	:	آواز

سرائے	:	مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ
فانی	:	مٹ جانے والا

غور کیجیے:

☆ عربی میں چار کو اربع کہتے ہیں۔ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں، اس لیے اسے رباعی کہا جاتا ہے۔

☆ رباعی کے پہلے، دوسرے اور آخری مصرعے کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔

رباعی کی ایک خاص ہیئت ہوتی ہے اور اس کے اوزان بھی مقرّر ہیں۔

سوچیے اور بتایئے:

1۔ دل میں فروتنی کو جگہ کون دیتا ہے؟

2۔ اپنی ثنا آپ کون کرتا ہے؟

3۔ خالی ظرف کے صدا دینے سے کیا مراد ہے؟

4۔ شاعر نے دنیا کو سرائے فانی کیوں کہا ہے؟

5۔ بڑھاپا اور جوانی کے لیے شاعر نے کیا فرق بتایا ہے؟

عملی کام:

☆ انیسؔ کے علاوہ دوسرے رباعی گو شعرا کی رباعیاں پڑھیے۔

لوک کہانی

یہ سبق اسپینی زبان کی ایک لوک کہانی پر مشتمل ہے۔ لوک کہانی کسی معاشرے کے افراد میں سنی سنائی جانے والی ایسی کہانی ہوتی ہے جس میں فطرت، انسان اور ماحول کی دوسری تفصیلات کے متعلق روایتوں کو اخلاقی تعلیم وتربیت کی خاطر کہانی کے روپ میں بیان کیا جاتا ہے۔

اس کہانی میں خدا پر ایک کسان کے پختہ یقین کو اس ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے کہ اس سے باہمی ہمدردی اورانسان دوستی کی تصویرکشی ہوجاتی ہے۔

خدا کے نام خط

اس وادی کا اکلوتا مکان ایک چھوٹی سی چٹان کے اوپر بنا ہوا تھا۔ وہاں کھڑے ہوکر بہتے ہوئے دریا، مٹر اور چنے کے کھیتوں کو بہ خوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ کھیت بڑی عمدہ فصل دیتے تھے۔ اور انھیں جس چیز کی بے حد ضرورت تھی وہ بارش تھی۔

لین شو اپنی زمین اور کھیتوں کے چپّے چپّے سے واقف تھا۔ وہ آج صبح سے بار بار آسمان دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے تشویش ناک لہجے میں کہا:

''بی بی! میرا قیاس ہے کہ آج بارش ہوگی۔''

بی بی! نے جو اس وقت کھانا تیار کر رہی تھی، یہ سن کر جواب دیا:

''ہاں، آج کسی بھی وقت بارش ہوسکتی ہے اگر رَب چاہے تو..................''

اُس وقت بڑی عمر کے لڑکے کھیتوں میں کام کر رہے تھے اور چھوٹے بچّے مکان کے نزدیک کھیل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بی بی نے انھیں آواز دی:

''آجاؤ، سب آجاؤ، کھانا تیار ہے۔''

جب سب مل کر کھانا کھا رہے تھے تو جیسا کہ لین شو نے قیاس آرائی کی تھی، بارش ہونے لگی۔ بارش کے شفاف قطرے زمین پر برس رہے تھے اور آسمان پر شمال کی جانب سے بادلوں کے پہاڑ چلے آرہے تھے۔ ہوا بھی تیز تھی۔ لین شو باہر کھیتوں میں نکل گیا۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ بارش سے پیدا ہونے والی ترنگ کو اپنے تن من میں رواں دواں دیکھے۔ جب وہ گھر میں واپس آیا تو جذباتی اور جوشیلی آواز میں بولا:

''جو کچھ اس وقت آسمان سے برس رہا ہے وہ بارش کے قطرے نہیں بلکہ سکّے ہیں، بڑے اور چھوٹے۔''

پھر اس نے بڑے اطمینان سے یہ بھی کہا کہ غلّے کے کھیت اور مٹر کے نئے نئے کِھلے ہوئے پھول بارش کی چادریں اوڑھ کر بہت خوش ہیں۔ ابھی اس نے یہ کہا ہی تھا کہ یک بارگی تند و تیز آندھی اُٹھی پھر بارش کے ساتھ ژالہ باری ہونے لگی۔ اولے واقعی

چاندی کے گول گول ڈلوں سے مشابہ تھے۔ بچّوں نے یہ دیکھا تو لپک کر اندر سے باہر آ گئے اور انھیں چُننے میں جُٹ گئے ۔ بچّے خوش تھے لیکن ان کا باپ فکرمند ہو کر خود سے کہنے لگا ''اب تو معاملہ بگڑنے لگا ہے، لیکن پھر بھی مجھے امّید ہے کہ سب کچھ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔''

لیکن سب کچھ ٹھیک نہیں ہوا اور بہت دیر تک اولے گرتے رہے ۔ زمین ایسے سفید ہو گئی ، جیسے اس پر نمک کی چادر بچھا دی گئی ہو ۔ درختوں پر ایک پتّہ بھی نہ رہا۔ غلّے کے کھیتوں کا ستّیا ناس ہو گیا، مٹر کی بیلیں اور پودوں کے تازہ پھول ٹوٹ کر بکھر گئے ۔ لین شو پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا:

''اگر ان کھیتوں پر ٹڈّی دل نے حملہ کیا ہوتا تو بھی ہمارے پاس اس سے زیادہ بچ رہا ہوتا لیکن اس ژالہ باری نے تو ہمیں مفلس اور قلاش بنا دیا ہے۔ اب ہمارے پاس نہ غلّہ ہے اور نہ سبزی ہے۔ اس سال تو ہمیں فاقے پہ فاقے کرنا ہوں گے۔

وہ تمام لوگ جو وادی کے اس اکلوتے مکان میں رہتے تھے اپنے دِلوں میں ایک ناقابلِ شکست امّید لیے بیٹھے تھے اور ایک اَن دیکھی قوّت پر تکیہ کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا:

''دل چھوٹا مت کرو، ہمّت مت ہارو۔''

''اس میں کوئی شک نہیں کہ سب کچھ تباہ ہو گیا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ بھوک سے کوئی نہیں مرتا۔''

لین شو کے تمام خیالات اپنی آخری امید یعنی آسمانی امداد کے گرد گھومتے رہے۔ اس کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ سب کا پالن ہار بڑا رحیم اور کریم ہے۔ انسان کے دل کی گہرائیوں کی بات جانتا ہے۔

لین شو اپنے کھیتوں میں بیل کی طرح کام کرتا تھا۔ وہ کچھ لکھنا پڑھنا بھی جانتا تھا۔ آئندہ اتوار تک اس نے اپنے آپ کو اس بات کا یہ پختہ یقین دلا دیا کہ ایک ان دیکھی محافظ ہستی موجود ہے۔ اس یقین کے بعد اس نے خدا کے نام ایک خط لکھنا شروع کیا۔

''یا ربّی !''

اگر تو نے میری مدد نہیں کی تو میں اور میرا کنبہ اس سال فاقوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اس وقت ایک سو روپیوں کی اشد ضرورت ہے تا کہ میں کھیتوں کی حالت دوبارہ ٹھیک کر سکوں اور ان میں بُوائی کر سکوں اور نئ فصل کی کٹائی تک زندہ بھی رہ سکوں کیوں کہ ژالہ باری نے ساری فصل تباہ کر دی ہے۔''

لفافے پر پتے کی جگہ اس نے یہ الفاظ لکھے:

''یہ خط خدا کو ملے''

اس کے بعد اس نے لفافے کو بند کیا اور غم گین دل کے ساتھ شہر کی طرف چل دیا۔ ڈاک خانے پہنچ کر اس نے ٹکٹ خریدے، لفافے پر چپکائے اور لفافہ سپردِ ڈاک کر دیا۔

اس ڈاک خانے کے ایک ڈاکیے نے جو خطوں کی تقسیم کے ساتھ ان کی چھٹائی کا کام کیا کرتا تھا، ہنستے ہوئے یہ لفافہ اپنے افسر کو پیش کر دیا۔ اپنی ساری ملازمت کے دوران اس نے اِس پتے پر کبھی ڈاک نہیں پہنچائی تھی۔ پوسٹ ماسٹر ایک خوش مزاج اور درد مند دل کا آدمی تھا وہ بھی اس لفافے کو دیکھ کر بے اختیار ہنسنے لگا لیکن قہقہوں کے درمیان وہ یک بارگی، خاموش اور سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے لفافہ میز پر رکھ دیا اور کہنے لگا:

''واہ، واہ! کیا پختہ ایمان ہے، کاش مجھے بھی ایسا ایمان نصیب ہوتا اور میں بھی ایسے ہی یقین کا حامل ہوتا۔ کیا بات لکھنے والے کی جس نے ایک پختہ امید پر خدا سے خط و کتابت شروع کر دی، واہ، وا۔''

پھر اس نے سوچا ایسے پختہ ایمان اور امید کو پاش پاش کرنا اچھّا نہیں۔ اس نے اپنے ماتحتوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ خط پڑھا جائے اور اس کا جواب دیا جائے۔ جب لفافہ چاک کیا اور خط پڑھا تب اندازہ ہوا کہ اس خط کا جواب کاغذ، قلم، دوات، روشنائی، درد مندی اور نیک دلی سے کچھ زیادہ کا طلب گار ہے۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو ساری بات بتا کر چندے کی درخواست کی اور خود بھی ایک اچھّی خاصی رقم پیش کی۔ اس کے عملے نے اس کارِ خیر میں حسبِ توفیق ہاتھ بٹایا۔

لین شو نے جس قدر رقم طلب کی تھی اتنی تو جمع نہ ہو سکی پھر بھی اس کے نصف سے کچھ زیادہ کا انتظام ہو گیا۔ پوسٹ ماسٹر نے تمام نوٹ ایک لفافے میں بند کیے پھر اس پر لین شو کا پتہ تحریر کیا اور ایک چِٹھی لکھ کر لفافے میں رکھ دی جس پر دست خط کے طور پر صرف اتنا لکھا تھا۔

''خُدا''

اگلے اتوار کو پھر لین شو ڈاک خانے میں آیا اور پوچھا کہ کیا اس کے نام کوئی خط آیا ہے؟ پوسٹ ماسٹر نے لین شو کا خط اس کے حوالے کیا اور اس کارِ خیر کے انجام دینے پر ایک طرح کی خوشی محسوس کی۔ اس کے بعد وہ دروازے کی دراز سے لین شو کی کیفیات دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ نوٹ پا کر لین شو کو کوئی حیرت نہیں ہوئی ہے۔ اس کو تو جیسے اس بات کا پختہ یقین تھا کہ یہ رقم تو اس کو ملنے ہی والی ہے۔ پھر جب اس نے رقم گن لی تو بگڑ گیا اور بڑبڑانے لگا۔

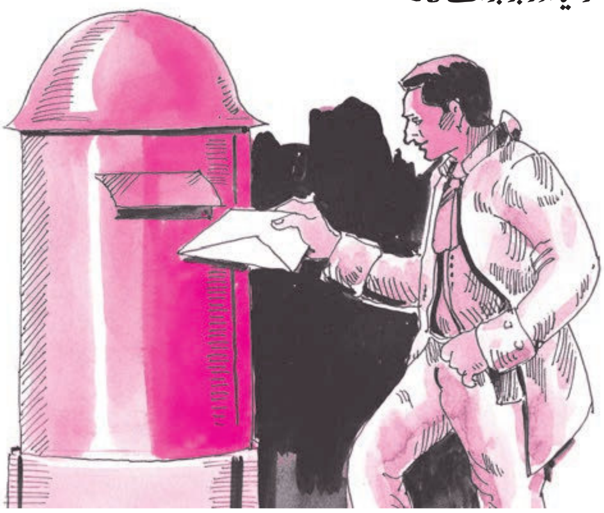

''خُدا نے تو ہرگز ایسی غلطی نہیں کی ہوگی اور نہ اُس کے پاس اس چیز کی کمی ہے جو میں نے اس سے خط کے ذریعے طلب کی تھی۔ وہ تو اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہے۔''

پھر کچھ سوچ کر ڈاک خانے کی کھڑکی پر گیا، کاغذ قلم طلب کیا اور پھر خط لکھنے بیٹھ گیا۔ اس کی پیشانی پر ابھرنے والی لکیریں بتا رہی تھیں کہ وہ جملے بنانے کے لیے اپنے ذہن کو بُری طرح ٹٹول رہا

ہے۔اسی کیفیت میں اس نے خط بہ مشکل پورا کیا اور اچھی طرح دیکھ بھال کے اسے لفافے میں بند کیا پھر ٹکٹ خریدا اور اس کو ایک زوردار مکّے کے ساتھ بند کر دیا۔

پھر جیسے ہی خط لیٹر بکس میں گرا تو ڈاکیے نے فوراً ہی اسے نکال لیا۔خط پڑھا گیا، اس میں لکھا تھا۔

''یا ربّی !''

جو رقم میں نے طلب کی تھی، اس میں سے مجھے صرف ستّر روپے ہی ملے ہیں ۔ باقی رقم بھی فوراً ارسال کریں۔ مجھے اس کی شدید ترین ضرورت ہے۔لیکن اب باقی رقم ڈاک کے ذریعے ہرگز نہ بھیجیں کیونکہ اس ڈاک خانے کے ملازمین بے ایمان اور بددیانت ہیں۔''

(گریگور یولو پیز فو آنتے)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

قیاس	:	اندازہ
شُد بُد	:	سمجھ
شفّاف	:	صاف
ترنگ	:	جوش، خوشی
قلّاش	:	غربت
پاش پاش کرنا	:	ٹکڑے ٹکڑے کرنا
کارِ خیر	:	نیک کام
بددیانت	:	بے ایمان

غور کیجیے:

☆ نقصان ہو جانے کے باوجود انسان کو ہمّت نہیں ہارنا چاہیے اور نہ ہی نا امید ہونا چاہیے۔

سوچیے اور بتایئے:

1۔ لین شو نے بی بی سے کیا قیاس آرائی کی؟
2۔ لین شو بارش میں کھیتوں کی طرف کیوں گیا؟
3۔ ژالہ باری سے کیا نقصانات ہوئے؟
4۔ لین شو نے خدا کے نام خط میں کیا لکھا؟
5۔ لین شو نے لفافے پر کیا پتہ لکھا؟
6۔ پوسٹ ماسٹر نے لین شو کا خط پڑھنے کے بعد کیا کیا؟
7۔ لین شو نے پہلے خط کا جواب ملنے کے بعد دوسرے خط میں خدا کو کیا لکھا؟

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

اکلوتا ملازمین نیک دلی پختہ یقین تکیہ کرنا پالن ہار

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

نزدیک تیز شکست پختہ موجود شہر

واحد کی جمع لکھیے:

مکان چادر روح سبزی افسر خط

عملی کام:

☆ خدا کے نام لکھے گئے لین شو کے خطوں کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر

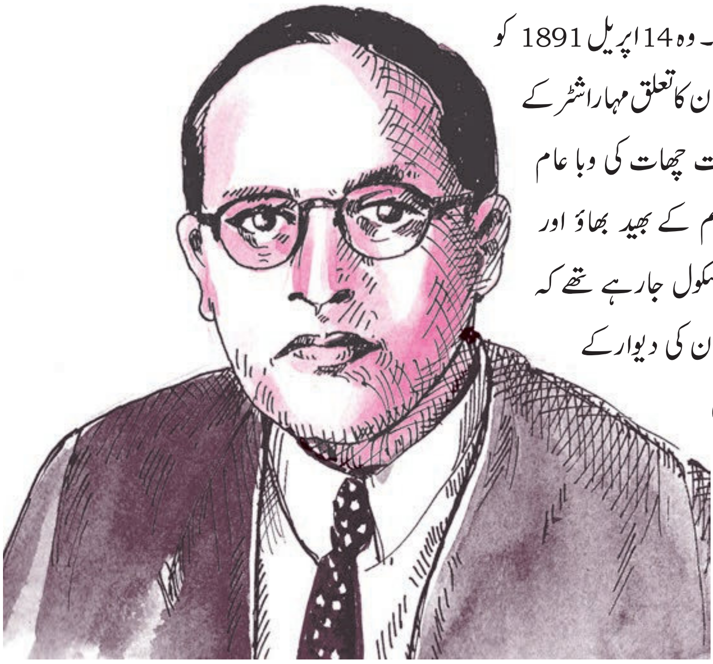

ڈاکٹر امبیڈکر کا اصل نام بھیم راؤ سکپال تھا۔ وہ 14 اپریل 1891 کو مدھیہ پردیش کے قصبے مہو میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق مہاراشٹر کے مہار خاندان سے تھا۔اس زمانے میں چھوت چھات کی وبا عام تھی۔ڈاکٹر امبیڈکر کو بچپن ہی سے اس قسم کے بھید بھاؤ اور ناانصافی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک دفعہ وہ اسکول جارہے تھے کہ بہت زور کی بارش شروع ہوگئی۔ وہ ایک مکان کی دیوار کے سہارے کھڑے ہونا چاہتے تھے۔ مکان کی مالکہ نے انھیں ڈانٹا اوروہاں سے چلے جانے پر مجبور کردیا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ چھوٹی ذات کا کوئی فرداس کے مکان کی دیوار کے پاس کھڑا رہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر اپنے اُستادوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ستارا کے ایک اسکول میں امبیڈکر نامی ایک اُستاد تھے جو ذات پات کی تفریق کونہیں مانتے تھے۔ وہ سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے۔ وہ بھیم راؤ کو بہت چاہتے تھے۔ اُستاداور شاگرد کا یہ رشتہ ایسا مضبوط ہوا کہ آگے چل کر وہ بھیم راؤ سکپال سے بھیم راؤ امبیڈکر بن گئے۔

تعلیم حاصل کرنے کے لیے امبیڈکر کو کئی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔مگر ان کے دل میں علم حاصل کرنے کا شوق اور محنت کا جذبہ تھا، اس لیے وہ آگے ہی بڑھتے گئے۔ آخر کار اعلیٰ تعلیم کے لیے اُنھیں انگلستان جانے کا موقع مل گیا۔انگلستان سے واپسی کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر نے ملک سے چھوت چھات اور ذات پات کی تفریق مٹانے کے لیے کوششیں شروع کردیں۔ چھوت چھات کی اس لعنت نے ملک کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس کی وجہ سے ملک کا ایک بڑا طبقہ غربت اور جہالت کا شکار رہا۔

امبیڈکر نے اپنے جیسے کمزور انسانوں پر ہونے والے ظلم اور نا انصافیوں کے خلاف آواز اُٹھائی۔ گاؤں گاؤں اور شہر شہر جا کر لوگوں کو بیدار کیا۔ ان کے دل سے خوف دور کیا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کی۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا خیال تھا کہ سماج میں باعزّت زندگی گزارنے کے لیے تعلیم بے حد ضروری ہے۔ تعلیم بہت سی برائیوں کو ختم کر دیتی ہے۔ انھوں نے کمزور طبقوں کی تعلیم کے لیے کئی ادارے قائم کیے، اسکول اور کالج کھولے۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کی ترقّی پر بھی توجہ دی۔ ان کے لیے سماج میں برابری کے حقوق کی وکالت کی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ہمیشہ قومی اتحاد اور یگانگت پر زور دیا۔ ان کا اہم کارنامہ ہمارے ملک کا دستور ہے۔ جب ہمارا ملک آزاد ہوا تو اس کا دستور بنانے کی ذمّے داری ڈاکٹر امبیڈکر کو سونپی گئی۔ اسی لیے اُنھیں بھارت کے دستور کا معمار کہا جاتا ہے۔ بھارت کا یہ عظیم رہنما 6 دسمبر 1954 کو اس دنیا سے چل بسا۔

مشق

• معنی یاد کیجیے:

تفریق	:	فرق کرنا
خود اعتمادی	:	اپنے آپ پر بھروسا
حقوق	:	حق کی جمع
معمار	:	تعمیر کرنے والا، بنانے والا
عظیم	:	بڑا
ذات	:	برادری، طبقہ
اعلیٰ	:	اونچا، بڑا، عمدہ
آخر کار	:	نتیجے کے طور پر

لعنت	:	ناپسندیدہ چیز، برائی،خرابی
بیدار کرنا	:	جگانا
دستور	:	آئین، قانون

● غور کیجیے:

☆ ہر انسان برابر ہے۔سماج میں سبھی کو برابر کے حقوق حاصل ہیں۔قانونی طور پر کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے۔

● سوچیے اور بتایئے:

1۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا پورا نام کیا تھا؟ ان کا تعلق کس خاندان سے تھا؟
2۔ بھیم راؤ کے نام میں امبیڈکر کیوں شامل ہوا؟
3۔ چھوت چھات سے ملک کو کیا نقصان پہنچا؟
4۔ بھیم راؤ امبیڈکر کا سب سے اہم کارنامہ کیا ہے؟

● قواعد

☆ بے جان چیزوں میں بھی مذکر اور مؤنث کا فرق پایا جاتا ہے۔ جیسے ''دروازہ کھلا ہے''، ''کھڑکی کھلی ہے''، ''دیوار اونچی ہے''، ''مکان بڑا ہے''۔ ان میں 'دروازہ'، 'مکان'، مذکر کے طور پر اور 'کھڑکی'، 'دیوار' مؤنث کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

● نیچے دیے ہوئے لفظوں میں مذکر اور مؤنث چھانٹ کر لکھیے:

مصیبت	راستہ	تعلیم	رکاوٹ	محنت	موقع
جہالت	ظلم	خوف	قوم		

• خالی جگہوں کو مناسب لفظوں سے بھریے:

1۔ امبیڈکر کا اصل نام.................تھا۔ (بھیم راؤ امبیڈکر، بھیم راؤ سکپال)

2۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے امبیڈکر کو کئی ....کا سامنا کرنا پڑا۔ (رکاوٹوں، مجبوریوں)

3۔ چھوت چھات کی ....نے ملک کو کافی نقصان پہنچایا۔ (لعنت، پھٹکار)

4۔ سماج میں باعزت زندگی گذارنے کے لیے ....بے حد ضروری ہے۔ (تعلیم، ترقی)

• عملی کام:

☆ ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی کے حالات پر مختصر مضمون لکھیے۔

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

(1788 – 1854)

ذوقؔ کا اصل نام شیخ محمد ابراہیم تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ وہ ایک سپاہی کے بیٹے تھے۔ انھوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن اپنی ذہانت اور محنت سے علمی صلاحیت پیدا کرلی تھی۔ وہ شاہ نصیؔر کے شاگرد اور بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد تھے۔

بہادر شاہ ظفرؔ نے انھیں 'ملکُ الشعرا' اور 'خاقانیِ ہند' کے خطابات دیے۔ ذوقؔ نے کئی اصناف میں اظہار خیال کیا ہے۔ ان کی اصل پہچان قصیدہ نگاری ہے بالخصوص بہادر شاہ ظفر پر لکھے ہوئے قصائد کا مرتبہ بلند ہے۔ لیکن وہ غزل کے بھی ایک قابلِ ذکر شاعر ہیں۔

ذوقؔ نے اپنے کلام میں نیا پن پیدا کرنے اور زبان اور محاورے کی صفائی پر خاص توجہ دی ہے۔

غزل

لائی حیات، آئے، قضا لے چلی، چلے　　اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے
ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بہ وقتِ مرگ　　ہم کیا رہے یہاں، ابھی آئے، ابھی چلے
ہم سے بھی اس بساط پہ کم ہوں گے بد قمار　　جو چال ہم چلے سو نہایت بُری چلے
بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے　　پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

نازاں نہ ہو خرد پہ، جو ہونا ہے ہو وہی
دانش تری، نہ کچھ مری دانش وری چلے

(شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ)

مشق

- **معنی یاد کیجیے:**

حیات : زندگی
قضا : موت
عمرِ خضر : مراد لمبی عمر
مرگ : موت

بساط	:	وہ خانے دار کپڑا جو چوسر یا شطرنج کھیلنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے
بدقمار	:	ناکام جواری
نازاں ہونا	:	ناز کرنا،فخر کرنا
خِرد	:	عقل
دانِش	:	سمجھ بوجھ
دانش وری	:	ہوشیاری، سمجھ داری، زیادہ علم رکھنا

● غور کیجیے:

اس غزل کے ہر شعر کے آخر میں لفظ ’’چلے‘‘ آیا ہے۔ اسے ردیف کہتے ہیں۔
’’چلے‘‘ ردیف سے پہلے چلی، خوشی، ابھی، بُری اور دل لگی جیسے ہم آواز الفاظ استعمال ہوئے ہیں، انھیں قافیہ کہتے ہیں۔

● سوچیے اور بتایئے:

1۔ پہلے شعر میں شاعر کیا بات کہنا چاہتا ہے؟
2۔ ’’ابھی آئے، ابھی چلے‘‘ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
3۔ دنیا سے دل لگانے کے کیا معنی ہیں؟
4۔ شاعر نے عقل پر فخر کرنے سے کیوں منع کیا ہے؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

حیات　　خوشی　　بہتر　　مرگ　　بُری

● عملی کام:

☆ اس غزل کو یاد کیجیے۔

پروفیسر محمد مجیب

(1902 – 1985)

محمد مجیب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اُن کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ 1918 میں سینیر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ 1919 میں وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ گئے۔ 1922 میں بی۔ اے آنرس پاس کیا۔ لندن میں انھوں نے فرانسیسی اور لاطینی سیکھی۔ وہاں سے برلن گئے اور جرمنی زبان میں بھی کمال حاصل کیا۔

وطن واپسی کے بعد جامعہ ملّیہ اسلامیہ میں استاد مقرر ہوئے۔ 1948 میں انھوں نے شیخ الجامعہ کی ذمّے داری سنبھالی اور اسی عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

انھیں کتب بینی، فنِ تعمیر، سنگ تراشی، مجسّمہ سازی، مصوّری، موسیقی اور باغبانی سے دلچسپی تھی۔ علمی میدان میں تاریخ نگاری ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ دنیا کی کہانی (1931)، تاریخِ فلسفۂ سیاست (1936)، تاریخِ تمدن ہند (1957) اور روسی ادب کی تاریخ دو جلدیں (1960) ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ پروفیسر مجیب کو ادب سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے ڈرامے پر خصوصی توجہ دی اور آٹھ ڈرامے لکھے۔ ان میں سے 'کھیتی'، 'انجام'، 'خانہ جنگی' اور 'آزمائش' جامعات کے نصاب میں شامل رہے ہیں۔ بچوں کے لیے ایک ڈراما ''آؤ ڈراما کریں'' بھی لکھا۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے جن میں 'کیمیاگر'، 'باغی'، 'چراغِ راہ'، 'اندھیرا' اور 'پتھّر' مقبول ہوئے۔ وہ ایک کامیاب مترجم بھی تھے۔ ان کی قومی، علمی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ ہند نے انھیں 'پدم بھوشن' کا خطاب دیا۔

مرزا غالبؔ

(1797 – 1869)

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کی ولادت آگرے میں ہوئی۔ ابھی وہ بچّے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کے چچا نصراللہ بیگ نے ان کی پرورش کی۔ شادی کے بعد غالبؔ دہلی آگئے۔ یہاں کے علمی اور ادبی ماحول میں ان کے شعری ذوق کی تربیت ہوئی۔ بہت جلد انھوں نے اپنی الگ پہچان بنالی اوراعلیٰ ادبی مقام حاصل کرلیا۔ غالبؔ نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ دونوں میں ان کا انداز بہت منفرد اور دل کش ہے۔

خیال کی بلندی، مضمون آفرینی اور شوخی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کی شاعری میں انسان کے وجود اور اس کی دنیا کے گہرے مسئلوں کا بیان ملتا ہے۔ غالبؔ جتنے بڑے مفکّر تھے اتنے ہی بڑے فنکار بھی تھے۔ اپنے کلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ غالبؔ اپنی صنّاعی اور اپنی طبّاعی کے لیے بھی ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ غالبؔ نے جو بلند مرتبہ شاعری میں حاصل کیا وہی مرتبہ ان کی نثر کو بھی حاصل ہے۔

'دیوان غالب' میں بہ مشکل دو ہزار اشعار ہیں لیکن غالب ہندوستان ہی نہیں دنیا کے بڑے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے خطوط کے مجموعے 'اردو معلّیٰ' اور 'عودِ ہندی' کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

غزل

کوئی اُمّید بَر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معیّن ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

کعبے کس منہہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

(غالبؔ)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

اُمّید بر نہ آنا : اُمّید پوری نہ ہونا
صورت : تدبیر، طریقہ
معیّن : طے شدہ
مگر : شاید

• غور کیجیے:

’آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی‘

یہاں ’آگے‘ کے معنی ’پہلے‘ کے ہیں۔

’ورنہ کیا بات کر نہیں آتی‘

یہاں ’کر‘ کے معنی ہیں ’کرنا‘۔ یہ پرانا طریقہ ہے۔ آج کل اس کا استعمال اس طرح نہیں ہوتا۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ ’کوئی صورت نظر نہیں آتی‘ سے کیا مراد ہے؟

2۔ دوسرے شعر کا مفہوم بیان کیجیے۔

3۔ کعبے جانے سے شاعر کو شرم کیوں آتی ہے؟

• عملی کام:

☆ اس غزل کے قافیے اپنی کاپی میں لکھیے۔

انٹرنِٹ

(Internet)

سائنس نے ہمارے لیے بہت سی سہولتیں فراہم کی ہیں۔ ہم بیمار پڑ جائیں تو علاج کے لیے بہت سی دوائیں ، بہت سی مشینیں مہیّا ہیں۔ مواصلاتی نظام پر غور کریں تو خط سے لے کر تار ، ٹیلی فون ، ٹیلی وِژن ، موبائل اور اب انٹرنٹ جیسی کئی آسانیاں ہمیں حاصل ہیں۔

دوسری عالمی جنگ (46 – 1939) کے زمانے میں ایک نئے مواصلاتی نظام کی ضرورت شدّت سے محسوس کی گئی، ایک ایسا نظام جو بہت تیزی سے کام کر سکے۔ سائنس دانوں نے کمپیوٹر کے ذریعے اس نئے نظام کو کھوج نکالا۔ اسی کو ہم انٹرنٹ کہتے ہیں۔

انٹر نیٹ کمپیوٹر نیٹ ورک (Network) کا ایک اہم حصّہ ہے ۔ یہ دراصل الیکٹرانک سلسلوں کا ایک مجموعہ ہے جو تمام دنیا میں مواصلاتی رشتہ یا وحدت قائم کرتا ہے۔ ہم دنیا کے کسی بھی حصّے میں ہوں، انٹرنیٹ کے ذریعے کسی سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ رابطے کا یہ طریقہ ای ۔میل (e-mail) کہلاتا ہے ۔ ای۔میل انٹرنیٹ کی ایک ایسی خدمت ہے جس نے ٹیلی فون سے زیادہ تیز تر رابطے کا نہایت آسان طریقہ، بہت کم خرچ پر مہیّا کر دیا ہے۔ چونکہ ای ۔میل کی سہولت اب موبائل پر بھی دستیاب ہے لہٰذا تار بچھانے اور دیگر زمینی انتظامات کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی ہے۔

کمپیوٹر کی انٹرنیٹ یا ای۔میل خدمات حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک موڈیم (MODEM)، دوسری ٹیلی فون یا موبائل کنکشن اور تیسری انٹرنیٹ سروس مہیّا کرنے والی تنظیم ۔ موڈیم ایک آلہ ہے جو کمپیوٹر کے اعداد و شمار اور عبارتوں کو ایک خاص قسم کے اشاروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ اشارے ٹیلی فون یا موبائل لائن کے ذریعے دنیا کے کسی بھی حصّے میں بھیجے جا سکتے ہیں۔ انھیں حاصل کرنے والا موڈیم اشاروں کو دوبارہ اعداد و شمار اور عبارت میں بدل دیتا ہے۔ اس طرح ہم آنے والے پیغام کو اپنے کمپیوٹر یا موبائل کے پردے (SCREEN) پر پڑھ سکتے ہیں۔

انٹرنیٹ کے ذریعے پیغامات بھیجنے اور وصول کرنے کا طریقہ نیچے دیے ہوئے نقشے کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے:

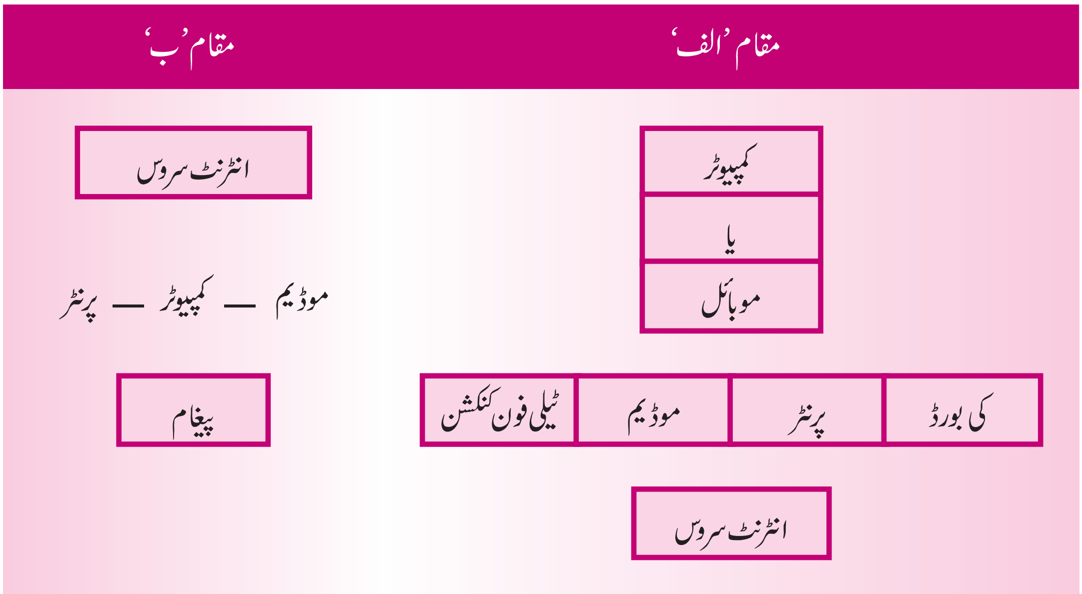

(نقشہ:1)

ای۔میل (e-mail) کیا ہے؟

ای۔میل انٹرنیٹ خدمات کا ایک حصّہ ہے جو پیغامات کو اشاروں میں تبدیل کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتا ہے۔ اس کے لیے اوپر بیان کی گئی سہولتوں کے ساتھ ہمیں ای۔میل کا پتا معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ ای۔میل کا پتا ہم اپنی مرضی سے مقرّر کر سکتے ہیں۔ یہ پتا عام طور پر اپنے پورے نام یا اس کے 'مخفّف' (مختصر شکل) کو انٹرنیٹ سروس کے نام کے ساتھ جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔

فرض کیجیے ہمارا نام سیّد زاہد علی اور انٹرنیٹ سروس کا نام AALOO ہے، اس لحاظ سے ہمارا ای۔میل پتا اس طرح ہوسکتا ہے:

syedzahidali@aaloo.com

یا

sza@aaloo.com

www (ورلڈ وائڈ ویب)

ورلڈ وائڈ ویب کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ تمام دنیا میں پھیلا ہوا ایک الیکٹرانک جال ہے جس کا استعمال ہم دنیا کے ہر حصّے میں کر سکتے ہیں۔ اس کے استعمال کے لیے کمپیوٹر پر ویب سائٹ کا فراہم ہونا ضروری ہے۔ ویب سائٹ (website) ایک قسم کا کنکشن ہے جسے انٹرنیٹ سروس دینے والی تنظیم فراہم کرتی ہے۔ انٹرنیٹ پر ویب سائٹ اور اس کے عمل کو نیچے دیے گئے نقشے سے سمجھا جاسکتا ہے:

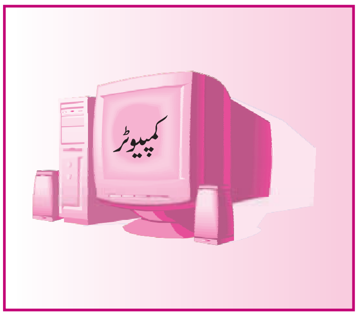

موڈیم	ورلڈ وائڈ ویب
ٹیلی فون کنکشن	فائل ٹرانسفر پروٹوکول
سروس مہیّا کرانے والا	ٹیل نٹ یونٹ
ویب سائٹ	گورنر

(نقشہ: 2)

فائل ٹرانسفر پروٹوکول (F.T. P)

اس کے ذریعے کسی بھی ویب سائٹ میں محفوظ کی جانے والی اطلاعات کو اپنے کمپیوٹر پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی نقل کی ضرورت ہوتو پرنٹر کے ذریعے نقل بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ٹیل نٹ (Telnet)

اس کی مدد سے کسی بھی دور دراز کے کمپیوٹر کو ہم گھر بیٹھے اپنے کمپیوٹر ہی کی طرح استعمال کر سکتے ہیں۔

یوزنٹ (Usenet)

یہ طریقہ اطلاعات کو بھیجنے اور منگانے کا سب سے تیز رفتار طریقہ ہے۔ اپنی برق رفتاری کی وجہ سے انٹرنٹ کا یہ طریقہ بہت مقبول ہوا ہے۔

بینکوں میں انٹرنٹ کا استعمال (e-banking)

ہم نے شہروں میں اے۔ٹی۔ایم (ATM) کے کاؤنٹر دیکھے ہیں۔ اس کا پورا نام اوٹو میٹک ٹرانزیکشن مشین (AUTOMATIC TRANSACTION MACHINE) ہے۔ یہ مشین انٹرنٹ کے ذریعے کام کرتی ہے۔ ہمارا بینک کھاتا دنیا کے کسی بھی حصّے میں ہو، اسے انٹرنٹ کے ذریعے کہیں بھی استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ بینک ہر کھاتے دار کو ایک پہچان کارڈ جاری کرتا ہے۔ اس کارڈ کو اے ٹی ایم میں ڈالنے سے کمپیوٹر ہماری پہچان کر لیتا ہے۔ پہچان قائم ہوتے ہی ہم رقم نکال سکتے ہیں اس لیے بینک جانے کی یا فارم بھرنے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بینک کے کلرک خزانچی یا کیشیئر کی بھی ضرورت نہیں۔ بس بٹن دبایا اور اے۔ٹی۔ایم سے گنی گنائی رقم ہمارے ہاتھوں میں آ گئی۔

ای۔ٹکٹ (e-ticket)

بینک کی طرح اب ریل، بس اور ہوائی جہاز کی کمپنیاں بھی انٹرنٹ کا استعمال کرنے لگی ہیں۔ ہمیں ٹکٹ لینے کے لیے ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈّے جا کر گھنٹوں لائن میں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کمپیوٹر کے ذریعے یا قریب کے سائبر کیفے میں اپنا ٹکٹ بُک کرا سکتے ہیں۔ ٹکٹ کی رقم ہمارے ای۔ بینک اکاؤنٹ سے خود بخود ادا ہوجاتی ہے۔

معلومات کا خزانہ—(انٹرنیٹ)

آج کل دنیا کی ہر معلومات انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ تمام اخبارات، اطّلاع نامے، اشتہارات اور کتابیں وغیرہ انٹرنیٹ پر دے دیے جاتے ہیں۔ ہم اپنے کمپیوٹر پر انھیں بہ آسانی پڑھ سکتے ہیں۔ خود اپنی معلومات، اطّلاعات ہم انٹرنیٹ پر ڈال سکتے ہیں تاکہ وہ تمام دنیا کو آسانی سے دستیاب ہوسکیں۔

انٹرنیٹ پر کتب خانے

دنیا کی بڑی بڑی لائبریریاں اپنی کتابیں انٹرنیٹ پر فراہم کرتی ہیں۔ آپ کو جس کتاب کی ضرورت ہو، اپنے کمپیوٹر پر دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں۔ آج انگلینڈ، امریکہ اور تمام بڑے ملکوں کی لائبریریاں ہمیں انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ پڑھنے والے بچّوں کو ہو رہا ہے۔ ہم اپنے مضامین سے متعلق سارا مواد گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اخبارات بھی انٹرنیٹ پر پڑھ سکتے ہیں۔

انٹرنیٹ کے فائدے

انٹرنیٹ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ فاصلوں کو نہایت تیزی کے ساتھ ختم کرتا ہے۔ ہم دنیا کے کسی بھی حصّے میں، کسی بھی شخص سے فوراً رابطہ کر سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے آن کی آن میں پیغامات اور تصاویر بھیجی جاسکتی ہیں۔ ویب سائٹ میں محفوظ ہر قسم کی معلومات بٹن دباتے ہی کمپیوٹر سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ کتب خانوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ علوم کے ماہرین، تاجر، صنعت کار اور پیشہ ور حضرات اس کی مدد سے اپنا کام بہت عمدہ طریقے سے اور بہت جلد پورا کر سکتے ہیں۔ اس سے کھیل تماشے اور دل بہلاوے کا سامان بھی مہیّا کیا جاسکتا ہے۔ اشتہارات کے ذریعے ضرورت کی اشیا کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔ طالبِ علم اس کے ذریعے اپنی تعلیم آسانی سے پوری کر سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ کے بغیر اب ہماری ترقّی ممکن نہیں۔

(ادارہ)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

مواصلاتی نظام	:	Communication System وہ جدید وسائل جن کی مدد سے پیغامات ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے جاتے ہیں
مہیّا	:	فراہم، دستیاب
تنظیم	:	ادارہ
وحدت	:	اکائی
دستیاب ہونا	:	حاصل ہونا، ہاتھ آنا
صنعت کار	:	کارخانے دار (Industrialist)

• غور کیجیے:

- اس سبق میں ای۔میل ، ای۔ٹکٹ اور اے۔ٹی۔ایم وغیرہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ آپ روز مرّہ زندگی میں انٹرنٹ کے استعمال کی دوسری صورتیں بتائیے۔
- ہر چیز کے فائدے اور نقصانات ہوتے ہیں۔ انٹرنٹ کے فائدوں پر ہم نے غور کیا۔ آپ اس کے نقصانات پر غور کیجیے اور کم از کم تین نقصانات کاپی میں لکھیے۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ مواصلاتی نظام کسے کہتے ہیں اور اس میں کون سے وسائل شامل ہیں؟

2۔ انٹرنٹ کس طرح کام کرتا ہے؟

3۔ ای۔میل بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟

4۔ موڈیم کسے کہتے ہیں؟

5۔ بینک کے نظام میں انٹرنیٹ کس طرح مفید ہے؟

6۔ ای۔ٹکٹ کسے کہتے ہیں؟

7۔ انٹرنیٹ سے طلبا کو کیا فائدے ہیں؟

• نیچے لکھے ہوئے الفاظ کے واحد لکھیے :

تصاویر	اطلاعات	ماہرین	معلومات	کتب	اخبارات
مضامین	اعداد	آلات			

• عملی کام :

☆ کسی سائبر کیفے میں جا کر انٹرنیٹ کی تمام عملی صورتوں سے واقفیت حاصل کیجیے اور اس موضوع پر ایک تصویری مضمون تیار کیجیے۔

☆ انٹرنیٹ کے فائدے اور نقصانات کے بارے میں اپنے دوستوں سے بات چیت کیجیے۔

نئی روشنی

اسکول میں کھانے کا وقفہ تھا۔ کچھ طلبا کھانا لے کر باہر پیڑ کے نیچے جا بیٹھے تھے۔ کچھ اپنی کلاس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سبھی حیرت میں تھے۔ روز کی طرح درجہ میں شور بھی نہیں تھا۔ اسلم اور جاوید کی بات چیت صاف سنائی دے رہی تھی۔

اسلم : ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ کل سے ہماری کلاس میں ایک ایسا لڑکا پڑھنے آئے گا جو نابینا ہے۔ اسے آج ہی داخلہ ملا ہے۔

جاوید : (حیرت سے) میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ پڑھے گا کیسے؟

(وقفہ ختم ہونے کی گھنٹی بجتی ہے)

اسلم : ماسٹر صاحب آتے ہی ہوں گے۔ انھیں سے پوچھیں گے۔

(ماسٹر صاحب کلاس میں داخل ہوتے ہیں۔ سبھی طلبا ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسلم اور جاوید سوال کرتے ہیں۔)

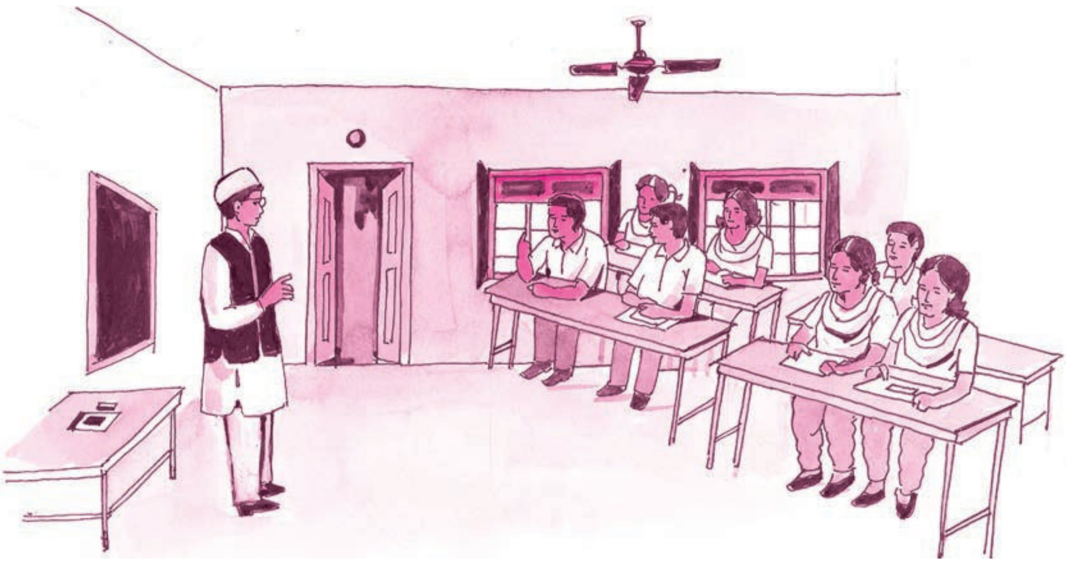

اسلم و جاوید : (ایک ساتھ) ماسٹر صاحب معلوم ہوا ہے کہ ایک ایسے لڑکے کو ہماری کلاس میں داخلہ ملا ہے۔ جو دیکھ نہیں سکتا پھر وہ پڑھے گا کیسے؟

ماسٹر صاحب : تم لوگوں نے ٹھیک سُنا ہے۔محمود کل سے تمھاری کلاس میں آئے گا اور تمھارے ساتھ ہی پڑھے گا۔تم سب اتنے حیران ہو کر میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟ محمود بالکل تم جیسا ہی ہے۔بس وہ دیکھ نہیں سکتا۔ جانتے ہو وہ گذشتہ سال اپنی کلاس میں اوّل آیا تھا۔

اسلم : ماسٹر صاحب! جب محمود کو دکھائی ہی نہیں دیتا تو وہ پڑھتا کس طرح ہے؟

ماسٹر صاحب : محمود اور اُس جیسے بچّے ایک خاص تحریر کے ذریعے پڑھتے ہیں۔اُسے 'بریل' کہتے ہیں۔

جاوید : لیکن ماسٹر صاحب! آنکھوں کے بغیر تحریر کیوں کر پڑھی جاسکتی ہے؟

ماسٹر صاحب : ایک خاص آلے سے موٹے کاغذ پر حروف کو اُبھارا جاتا ہے جنھیں تھوڑی تربیت کے بعد اُنگلی سے چھوکر پڑھ سکتے ہیں۔ بریل میں چھ نقطے ہوتے ہیں، جن کو کئی طرح سے ملا کر حُروف اُبھارے جاتے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی زبان اس تحریر میں لکھی اور پڑھی جاسکتی ہے۔آج اسی کی مدد سے اس طرح کے بچّے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

زاہدہ : یہ تحریر کس نے ایجاد کی ہے؟

ماسٹر صاحب : اس کی ایجاد کرنے والے فرانس کے 'لوئی بریل' تھے۔ وہ پیرس کے نزدیک 'کوپ برے' نام کے قصبے میں جنوری 1809 میں پیدا ہوئے تھے۔ دو سال کی عمر میں ایک نوکیلا اوزار لگ جانے سے لوئی کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی، مگر لوئی نے ہار نہیں مانی اور کسی نہ کسی طرح تعلیم حاصل کرنے میں لگے رہے۔ اپنی بیس سال کی محنت اور لگن سے انھوں نے اس تحریر کو ایجاد کیا جسے اُنھیں کے نام پر 'بریل' تحریر کہا جاتا ہے۔ بچّو! اس تحریر کو ایجاد کر کے لوئی نے نابینا لوگوں کے لیے تعلیم کا راستہ کھول دیا اور ان کی تاریک زندگی میں روشنی کی کرن بکھیر دی۔

اسلم : ماسٹر صاحب! کیا آپ کو بریل تحریر آتی ہے؟ آپ محمود کو کیسے پڑھائیں گے؟ آپ اس کے ہوم ورک کی جانچ کس طرح کریں گے اور پھر امتحان کی کاپی کیسے جانچی جائے گی؟

جاوید : اور پھر وہ ایک کلاس سے دوسری کلاس میں کیسے جائے گا؟

ماسٹر صاحب : محمود بہت محنتی طالب علم ہے۔ ویسے تو اپنا ہوم ورک کسی سے لکھوا کر بھی مجھے دکھا سکتا ہے مگر وہ دوسروں کا سہارا لینا پسند نہیں کرتا۔ وہ آج کل بڑی لگن سے ٹائپ سیکھنے میں لگا ہوا ہے تاکہ وہ ہماری تحریر میں ہی ہوم ورک کر سکے اور

امتحان دے سکے۔ رہی آنے جانے کی بات تو ایک بار تم لوگ اسے کلاسوں اور لائبریری وغیرہ کے راستے کو بتا دو گے تو پھر وہ اپنی سفید چھڑی کی مدد سے خود ہی راستہ ڈھونڈ لے گا۔

زاہدہ : سفید چھڑی ہی کیوں؟

ماسٹر صاحب : سفید چھڑی نابینا لوگوں کی پہچان ہے۔ اس چھڑی کو دیکھ کر لوگ اُنھیں راستہ دے دیتے ہیں اور ضرورت ہونے پر اُنھیں ان کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔

اسلم : کیا محمود اپنی روزی خود کما سکے گا؟

ماسٹر صاحب : محمود اور اس جیسے دوسرے بچّے ہماری ہی طرح تعلیم حاصل کر کے اپنی روزی خود کماتے ہیں۔ وہ کارخانوں میں بڑی مہارت سے مشینوں پر کام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ استاد، وکیل اخبار نویس اور موسیقار وغیرہ بن سکتے ہیں۔ آج کل ایسے کئی لوگ اعلیٰ عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ وہ سماج کے لیے مفید بن سکتے ہیں۔ آج وہ سماج پر کوئی بوجھ نہیں ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہم انھیں اپنے سے الگ نہ سمجھیں۔ ان کے ساتھ سچّے دوست جیسا برتاؤ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ کلاس کے سبھی طلبا پڑھنے لکھنے میں محمود کی بھرپور مدد کریں گے۔ جاوید! کیا تم اور کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟

جاوید : ماسٹر صاحب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا ایسے سبھی بچّے محمود کی طرح ہمارے جیسے اسکول ہی میں پڑھتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : نہیں جاوید ایسا نہیں ہے۔ ان کے اسکول الگ ہوتے ہیں جہاں ان کے رہنے کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں تقریباً ڈھائی سو ایسے اسکول ہیں۔ ان اسکولوں میں پڑھنے، لکھنے اور کھیل کود کے ساتھ ساتھ اُنھیں روزگار کے لیے مفید کام بھی سکھائے جاتے ہیں۔ یہ بہت سے کھیلوں میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ جیسے کبڈّی، رسّا کشی، تیراکی، دوڑ وغیرہ۔ تاش اور شطرنج بھی ان کے پسندیدہ کھیل ہیں۔ کھیلوں کے علاوہ یہ اسکاؤٹنگ، موسیقی اور سیّاحی میں بھی دلچسپی لیتے ہیں۔

اکرم : ماسٹر صاحب! کیا یہ لوگ کرکٹ کھیل سکتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : کیوں نہیں۔ کچھ ماہ پہلے ہی دور درشن پر ایسے کھلاڑیوں کو کرکٹ کھیلتے دکھایا گیا تھا۔ ان کے لیے خاص قسم کی گیند بنائی جاتی ہے جس سے آواز نکلتی ہے۔ آواز سن کر ہی کھلاڑی اپنے بلّے سے گیند کو مارتے یا پکڑتے ہیں۔

پرکاش : ان کے لیے اور کیا کیا خاص چیزیں بنائی گئی ہیں؟

ماسٹر صاحب : ان کے لیے انگریزی اور ہندی کا ایسا کمپیوٹر تیار کیا گیا ہے جو بولتا ہے یعنی جس حرف کے بٹن کو دبائیں گے تو کمپیوٹر اسی حرف کو ادا کرے گا۔ پھر وہ سن سن کر جو بھی ٹائپ کریں، وہ سب کچھ خاص پرنٹر کے ذریعے بریل تحریر میں فوراً ان کے سامنے آ جائے گا۔

موہن : ارے واہ! یہ تو بہت مزے دار بات ہوئی۔

ماسٹر صاحب : یہی نہیں، ان لوگوں کی انگلیوں کے پور اور کان بہت زیادہ حسّاس ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ چیزوں کو چھو کر محسوس کرتے ہیں اور سن کر وہ اپنا نصاب یاد کر لیتے ہیں۔ ایک بار سنا ہوا اور ایک بار چھُوا ہوا وہ کبھی نہیں بھولتے اُنھیں دکھائی نہیں دیتا تو کیا ہوا۔ بدلے میں بہت ساری صلاحیتیں ہیں جن سے وہ اپنی زندگی اچھّی طرح گزار سکتے ہیں۔

اسلم : ماسٹر صاحب، آنکھیں خراب کیوں ہوتی ہیں؟

ماسٹر صاحب : کبھی کبھی کھانے میں وٹامن اے کی کمی کی وجہ سے بینائی کم ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے بچّے حادثوں میں اپنی بینائی کھو بیٹھتے ہیں۔ بچّو! وٹامن 'اے' کی کمی پورا کرنے کے لیے اپنے کھانے میں ہری سبزیاں، گاجر، پیلے پھل، آم، پپیتا، کدو، وغیرہ مناسب مقدار میں استعمال کرنا چاہیے۔ ساتھ ہی گلّی ڈنڈا اور پٹاخوں یا نکیلی چیزوں سے اپنی آنکھوں کی خاص طور پر حفاظت کرنا چاہیے۔ کبھی کبھی گندگی سے بھی آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ آنکھوں کو ہمیشہ صاف پانی سے دھوتے رہنا چاہیے۔ صاف تولیے یا رومال سے آنکھیں پوچھنی چاہئیں۔ کم روشنی میں نہیں پڑھنا چاہیے اور آنکھوں کی ورزش بھی کرتے رہنا چاہیے۔ ان سب باتوں کا خیال رکھنے سے تمھاری آنکھیں محفوظ رہ سکتی ہیں۔

مشق

• معنی یاد کیجیے:

نابینا	:	جسے دکھائی نہ دے
تحریر	:	لکھاوٹ، عبارت

تربیت	:	پرورش
سیاحی	:	سفر کرنا، سیر و سیاحت کرنا
حسّاس	:	زیادہ محسوس کرنے والا
نصاب	:	پڑھائی کا کورس
صلاحیت	:	لیاقت، استعداد
ورزش	:	کسرت
مقدار	:	اندازہ، وزن

● غور کیجیے:

☆ آنکھیں وٹامن اے کی کمی سے خراب ہو جاتی ہیں۔ وٹامن 'اے' کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ہری سبزیاں اور پیلے پھل کھانا چاہیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

1۔ کلاس میں بچّے کس بات پر حیرت زدہ تھے؟
2۔ بریل ایجاد کرنے والے کا نام کیا تھا؟
3۔ بریل کے ذریعے پڑھائی کس طرح ہوتی ہے؟
4۔ لوگ سفید چھڑی کیوں رکھتے ہیں؟
5۔ آنکھوں کی حفاظت کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

موسیقار حیرت زدہ مقدار وقفہ اخبار نویس عہدہ آلہ

● اسم کی تعریف آپ کو بتائی جا چکی ہے۔ اس سبق سے پانچ اسم تلاش کر کے لکھیے۔

● خالی جگہوں کو صحیح لفظوں سے بھریے:

1. ان کے ....الگ ہوتے ہیں۔(گھر،اسکول، ہاسٹل)
2. کم روشنی میں نہیں ....چاہیے۔(سونا، کھانا، پڑھنا)
3. ارے واہ یہ تو بہت ....بات ہوگی۔(خراب،مزے دار، بیکار)
4. ان سب باتوں کا خیال رکھنے سے تمھاری آنکھیں ....رہ سکتی ہیں۔(اچھّی ،محفوظ،بہتر)

● عملی کام:

☆ بینائی کی حفاظت کس طرح کی جاسکتی ہے۔اس پر پانچ جملے لکھیے۔

اقبالؔ

(1877 – 1938)

اقبال کا شمار اردو کے بلند مرتبہ شاعروں اور مفکّروں میں ہوتا ہے۔ وہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اپنے خیالات کی گیرائی اور شعری صلاحیت کی وجہ سے ان کا نام دنیا بھر میں مشہور ہے۔ انھوں نے بچّوں کے لیے بھی نظمیں کہی ہیں۔ ان کی شاعری دنیا کی عظیم شاعری میں شمار کی جاتی ہے۔ اقبال اردو کے سب سے بڑے فلسفی شاعر ہیں۔ بچوں کے لیے انھوں نے جو نظمیں لکھی ہیں ان میں ''بچّے کی دعا''، ''قومی ترانہ''، ''پہاڑ اور گلہری''، ''جگنو''، ''ہمدردی''، ''پرندے کی فریاد'' اور ''ماں کا خواب'' وغیرہ بہت مقبول ہوئیں۔

ان نظموں کے ذریعے اقبال نے بچّوں میں بلند خیالی، ایمانداری، سچائی، محبت، بھائی چارہ، انصاف، بلند کرداری، ہمدردی، انسانی جذبہ، مل جل کر ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے جیسی صفات پیدا کی ہیں۔

اقبال کی کئی کتابیں اردو کے علاوہ فارسی اور انگریزی میں بھی شائع ہو چکی ہیں اور ان کی شاعری کے ترجمے دنیا کی بہت سی زبانوں میں کیے گئے ہیں۔

پہاڑ اور گلہری

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گِلہری سے
تُجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے

ذرا سی چیز ہے، اُس پر غرور، کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور، کیا کہنا

خدا کی شان ہے، ناچیز، چیز بن بیٹھیں
جو بے شعور ہوں، یوں با تمیز بن بیٹھیں

تری بِساط ہے کیا، میری شان کے آگے
زمیں ہے پست، مری آن بان کے آگے

جو بات مجھ میں ہے، تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں

کہا یہ سُن کے گلہری نے منہ سنبھال ذرا
یہ کچّی باتیں ہیں، دل سے اِنھیں نکال ذرا

جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اُس کی حِکمت ہے

بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے

قدم اُٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نِری بڑائی ہے، خوبی ہے اور کیا تجھ میں

جو تو بڑا ہے، تو مجھ سا ہُنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نِکَمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قُدرت کے کارخانے میں

(اقبالؔ)

مشق

معنی یاد کیجیے:

شعور	:	عقل، سمجھ
ناچیز	:	معمولی، حقیر
باتمیز	:	تمیز دار
بساط	:	حیثیت
پست	:	نیچی، کم درجہ
آن بان	:	شان، بڑائی
حکمت	:	تدبیر
نِری	:	صِرف
ہنر	:	کام کرنے کی صلاحیت، فن
نکمّی	:	بے کار

غور کیجیے:

☆ دنیا میں کوئی چیز اپنے قد کی وجہ سے اہم نہیں ہوتی، اصل اہمیت کام کی ہے۔

سوچیے اور بتائیے:

1۔ پہاڑ نے گلہری سے ڈوب مرنے کو کیوں کہا؟

2۔ گلہری نے پہاڑ کو کیا جواب دیا؟

3۔ پہاڑ نے اپنی بڑائی میں کیا کہا؟
4۔ کن باتوں سے خدا کی قدرت کا پتا چلتا ہے؟
5۔ گلہری ایسا کون سا کام کرسکتی ہے جو پہاڑ کے بس کا نہیں ہے؟

• عملی کام:

☆ ''غرور/شعور''

☆ ''چیز/ تمیز''

☆ ان لفظوں کو بلند آواز سے پڑھ کر معلوم کیجیے کہ ان کی آوازیں آخر میں کیسی ہیں۔ ایسے ہی ایک جیسی آوازوں پر ختم ہونے والے دوسرے الفاظ نظم سے تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے۔ استاد سے پوچھیے کہ ایسے لفظوں کو کیا کہتے ہیں؟

رضیہ سُلطان

رضیہ سُلطان ہندوستان کی پہلی ملکہ تھی جو دلّی کے تخت پر بیٹھی۔ وہ دہلی کے بادشاہ التتمش کی بیٹی تھی۔ اپنے بہن بھائیوں میں رضیہ سب سے زیادہ ذہین، محنتی اور ہوشیار تھی۔ باپ نے اپنی زندگی ہی میں اسے اپنا جانشین مقرّر کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ بیٹے عیش پسند ہیں، بیٹی کے علاوہ کوئی اور حکومت چلانے کی صلاحیّت نہیں رکھتا۔ اس نے اپنے آخری دنوں میں چاندی کے سکّے پر رضیہ کا نام بھی شامل کر لیا تھا۔

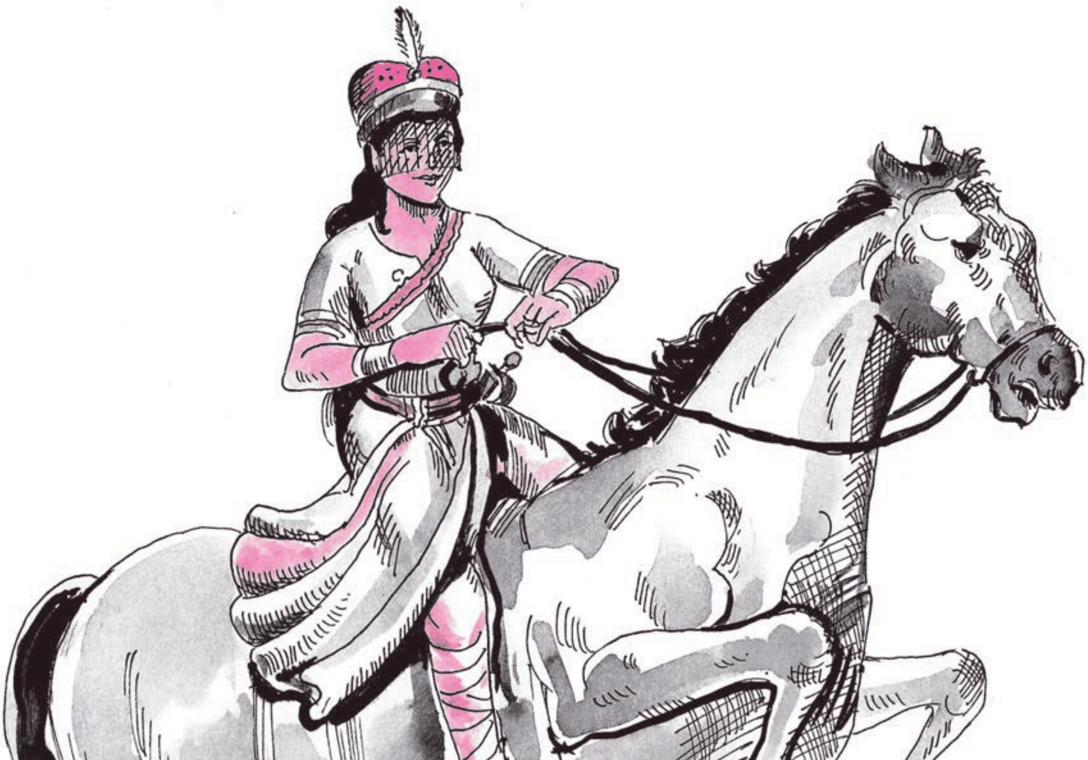

التتمش کی وفات کے بعد دربار میں وزیر نے جب بادشاہ کی وصیّت پڑھ کر سنائی تو تُرک امیروں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ایک عورت دلّی کے تخت وتاج کی مالک ہو۔ رضیہ نے یہ دیکھا تو امیروں سے کہا: ''میرے عورت ہونے پر اعتراض ہے تو میں امن کی خاطر اپنے بھائی رکن الدّین کا نام پیش کرتی ہوں۔ آؤ ہم سب مل کر اس سے وفاداری کا عہد کریں۔''

لیکن حکومت ہاتھ آتے ہی رُکنُ الدّین عیش وآرام میں پڑ گیا۔ اس کی ماں ایک حاسد عورت تھی۔ اس نے دوسری بیگمات اور ان کے بچّوں کو طرح طرح سے پریشان کیا۔ وہ سوتیلی بیٹی رضیہ کی مقبولیت سے جلنے لگی۔ مگر جلد ہی رُکن الدّین اپنی عیش پسندی اور اپنی ماں کی زیادتیوں کی وجہ سے اس قدر بدنام ہو گیا کہ دلّی کے لوگوں نے اس کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دلّی کے عوام رضیہ کی خوبیوں اور التتمش کی وصیّت سے واقف تھے۔ ان میں ایک بزرگ صوفی کاظم الدّین زاہد نے رضیہ کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

تخت نشین ہونے پر رضیہ نے عہد کیا کہ ''میں عوام کی بھلائی اور سلطنت کی ترقّی کے لیے کام کروں گی۔ میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گی جب تک یہ ثابت نہ کر دوں کہ میں مردوں سے کم نہیں۔''

رضیہ نے تخت نشینی کے بعد نہایت بہادری سے مشکلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ وہ فوج کی کمان خود سنبھالتی تھی۔ اس نے بادشاہوں کی طرح ''قبا'' اور ''کلاہ'' پہنی۔ اپنے نام کے سکّے جاری کیے۔ سلطنت میں امن قائم کیا، انتظام کو بہتر بنایا اور عوام کی خوش حالی کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ تجارت کو فروغ دیا، سڑکیں بنوائیں، درخت لگوائے اور کنویں کھدوائے۔ اس نے مدرسے اور سرکاری کتب خانے بھی قائم کیے۔ رضیہ سلطان کو خود بھی پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ وہ اچھّی گھوڑ سوار تھی۔ اور اسے جنگی اسلحوں کے استعمال کا ہنر بھی آتا تھا۔ اس کی حکومت بنگال سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔

رضیہ سلطان باقاعدہ دربار لگاتی تھی۔ اس نے برابری اور بھائی چارے کو عام کیا۔ رضیہ سلطان نے حکومت کے اختیارات کو چالیس امیروں میں بانٹا جن سے وہ ملکی معاملات میں مشورہ کرتی تھی۔ اس نے ''میر آخور'' کا سب سے بڑا عہدہ ایک حبشی غلام یاقوت کو دیا کیونکہ وہ ایمان دار اور جفاکش تھا۔ یہ اہم عہدہ اب تک صرف تُرک امیروں کو ملتا تھا۔ یہ بات تُرک امیروں کو پسند نہیں آئی۔ انھوں نے رضیہ کو تخت سے اتارنے کی سازش کی اور بھٹنڈا کے گورنر التونیہ کو بہکا کر بغاوت کروا دی۔ جب وہ بغاوت کو کچلنے کے لیے پنجاب میں بھٹنڈا پہنچی تو اس کے سپاہی طویل سفر اور گرمی سے پریشان ہو چکے تھے۔ اگرچہ دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا مگر رضیہ کی فوج کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ وہ قید کر لی گئی۔ ادھر دلّی میں سازشیوں نے رضیہ کے بھائی بہرام کو تخت پر بٹھا دیا اور بڑے بڑے عہدے آپس میں بانٹ لیے۔ بہرام کمزور بادشاہ ثابت ہوا۔ التونیہ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے رضیہ سے معافی مانگی اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا پھر دونوں کی شادی ہو گئی۔

اب رضیہ اور التونیہ نے دلّی کا تخت واپس لینے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے کچھ تُرک امیروں اور راجپوتوں کی مدد سے دلّی پر حملہ کیا۔ مخالف امیروں نے سوچا کہ رضیہ دلّی میں بڑی مقبول ہے اگر اس کی فوجیں یہاں پہنچ گئیں تو اس کے مددگار اٹھ کھڑے ہوں گے اس لیے جنگ دلّی سے دور ہونی چاہیے۔ چنانچہ بہرام کی فوج نے رضیہ کو راستے ہی میں روک دیا۔ شاہی فوج تعداد میں زیادہ تھی اور اس کے پاس بہتر ہتھیار بھی تھے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رضیہ نے بڑی ہمّت دکھائی لیکن اسے شکست ہوئی اور اسے قتل کر دیا گیا۔

رضیہ سلطان نے صرف ساڑھے تین سال حکومت کی لیکن اس مختصر مدّت میں اس نے اپنی ہمّت، حوصلے اور حسنِ انتظام سے ثابت کر دیا کہ وہ اعلیٰ درجے کی حکمراں تھی۔

مشق

• معنی یاد کیجیے:

واحد	:	ایک، اکیلا
وصیّت	:	موت سے پہلے کی جانے والی ہدایت
کُلاہ	:	ٹوپی
محافظ	:	حفاظت کرنے والا
صلہ	:	بدلہ، انعام
جفاکش	:	محنت کرنے والا
حسنِ انتظام	:	اچھا انتظام، کام کرنے کی خوبی
حکمراں	:	حاکم، حکومت کرنے والا
عالم	:	علم والا، پڑھا لکھا

غور کیجیے:

1. رضیہ سلطان ہندوستان کی پہلی خاتون حکمراں تھی۔
2. رضیہ سلطان نے اپنے کارناموں سے یہ دکھا دیا کہ عورتیں، مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔

سوچیے اور بتائیے:

1۔ رضیہ سلطان کی خوبیاں کیا تھیں؟
2۔ رکن الدّین کس کا بیٹا تھا، اُسے کس نے مارا؟
3۔ التتمش کی وصیّت کیا تھی؟
4۔ تخت نشینی کے بعد رضیہ نے کیا عہد کیا؟
5۔ رضیہ نے میر آخور کا عہدہ کسے دیا؟
6۔ رضیہ کی فوج کا مقابلہ کس سے ہوا تھا؟
7۔ رضیہ سلطان نے کتنے برس حکومت کی؟

نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

ذہن   وفاداری   عہدہ   محافظ

خالی جگہوں کو بھریے:

1. رضیہ سلطان دہلی کے بادشاہ...............کی بیٹی تھی۔
2. رضیہ............کی پہلی ملکہ تھی۔
3. رضیہ کے شوہر کا نام..............تھا۔

4. ترک امیروں نے رضیہ کے بھائی.............کو تخت پر بٹھا دیا۔
5. رضیہ سلطان اعلیٰ درجے کی ....تھی۔

● واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیے :

امرا افواج مشکل بیگمات اختیار کتاب

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے مذکّر سے مونّث اور مونّث سے مذکّر بنائیے :

ملکہ عالم بہن بیٹی

● محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے :

میدان چھوڑنا ہتھیار ڈالنا موت کے گھاٹ اتارنا

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے :

بھلائی خوش حالی امن شکست

● عملی کام :

☆ بلند آواز سے پڑھیے۔

رضیہ سلطان حسنِ انتظام وصیّت التونیہ
حبشی غلام یاقوت

رتن سنگھ

(1927)

رتن سنگھ قصبہ داؤد، تحصیل نارووال، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ایک مقامی اسکول میں میٹرک تک تعلیم پائی۔ تقسیم وطن کے بعد ہندوستان چلے آئے۔ 1962 میں آل انڈیا ریڈیو میں پروگرام ایگزیکیٹو کی حیثیت سے منسلک ہوئے۔ اپنی ملازمت کے دوران انھوں نے جالندھر، بھوپال، لکھنؤ، جبل پور اور سری نگر وغیرہ شہروں میں قیام کیا۔

انھیں شروع سے افسانہ نگاری کا شوق تھا۔ طالب علمی کے دور میں کہانیاں لکھنے لگے۔ بطور افسانہ نگار ان کا نام بہت جلد مشہور ہوگیا۔ 'پہلی آواز'، 'پنجرے کا آدمی'، 'کاٹھ کا گھوڑا' اور 'پناہ گاہ' ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ ان کے دو ناولٹ 'دربدری' اور 'اڑن کھٹولہ' اور ایک طویل سوانحی نظم 'ہڈ بیتی' اردو اور پنجابی میں شائع ہوچکی ہے۔ وہ مترجم کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔

کاٹھ کا گھوڑا

اس وقت بُندو کا ٹھیلہ تو ٹھیلہ خود بندو ایسا بے جان کاٹھ کا گھوڑا بن کر رہ گیا ہے جو اپنے آپ نہ ہل سکتا ہے نہ ڈُل سکتا ہے، نہ آگے بڑھ سکتا ہے۔

اسی لیے، بندو کی ہی وجہ سے اندھیر دیو کے تنگ بازار میں راستہ قریب قریب بند ہو کر رہ گیا ہے۔ ضرورت سے زیادہ بوجھ سے لدا ہوا بندو کا ٹھیلہ سڑک پر چڑھائی ہونے کی وجہ سے رُک سا گیا ہے۔ رہ رہ کر اگر چلتا بھی ہے تو جوں کی رفتار سے رینگتا ہے اور پھر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے کاریں، ٹرک، بسیں، موٹر سائیکل، اسکوٹر غرض یہ کہ سبھی تیز رفتار گاڑیوں کی لمبی قطار ٹھہر سی گئی ہے اور انہی کے بیچ میں تانگے اور رکشے بھی پھنسے ہوئے ہیں۔

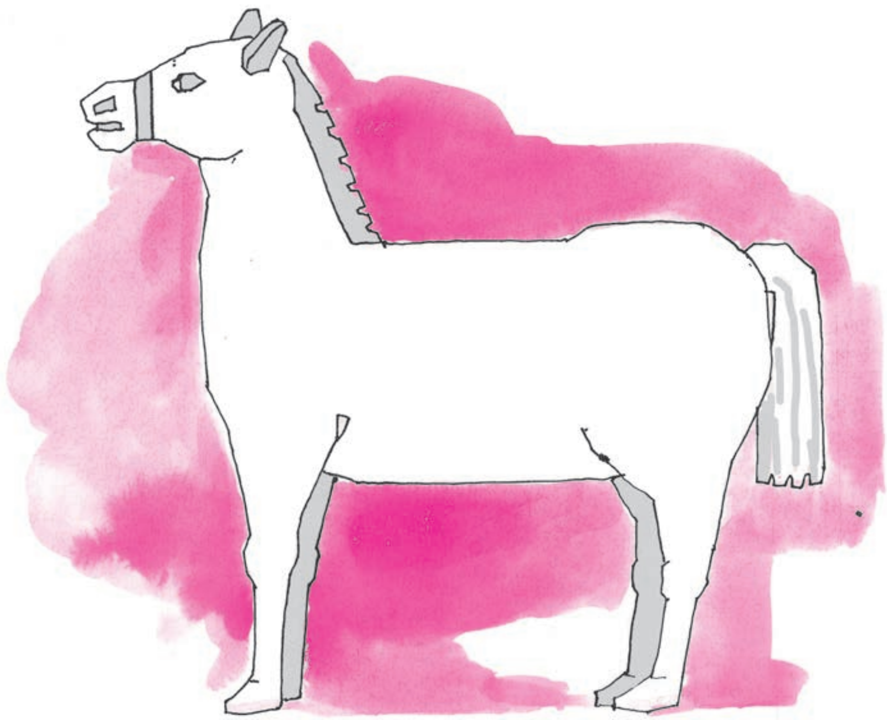

ان گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں وزیر، ملک کے بڑے بڑے کارخانے دار، کاروباری سیٹھ، دفتروں کے افسر، دوکاندار، وردیوں والے فوجی اور پولس والے، سفید کالروں والے بابو، عام آدمی، سودا سلف خریدنے کے لیے گھروں سے نکلی عورتیں، اسکولوں اور کالجوں کے بچّے، ڈاکٹر، نرس، انجینیر سبھی کے سبھی ٹھہر گئے ہیں۔ لگتا ہے جیسے بندو کی سست رفتار کی وجہ سے سارے شہر، بلکہ ایک طرح سے کہا جائے تو سارے ملک، ساری دنیا کی رفتار دھیمی پڑ گئی ہے۔

یوں تو وزیر اپنی کار میں بیٹھا کچھ لوگوں سے گفتگو کر رہا ہے۔ لیکن بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھ رہا ہے۔ کیوں کہ کسی غیر ملکی وفد سے ملنے کا وقت قریب آرہا ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ آگے سے راستہ اس طرح بند کیوں ہوگیا ہے۔ اس کا ڈرائیور گھبرایا ہوا بار بار کار سے اتر تا ہے، کچھ دور جا کر دیکھ کر آتا ہے۔ اور پھر مایوس ہوکر گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگتا ہے۔ وہ لوگ جو کار میں بیٹھے وزیر سے باتیں کر رہے ہیں، دل ہی دل میں خوش ہیں کہ راستہ بند ہونے کی وجہ سے کار کھڑی ہے اور انھیں وزیر کے سامنے اپنی بات رکھنے کا پورا پورا موقعہ مل رہا ہے۔ کارخانے دار اور کاروباری سیٹھ البتہ کاروں کی گدّیوں پر بیٹھے بے چین ہورہے ہیں۔ ان کے لیے ہر گذرے ہوئے پل کے معنی ہیں لاکھوں کا گھاٹا۔

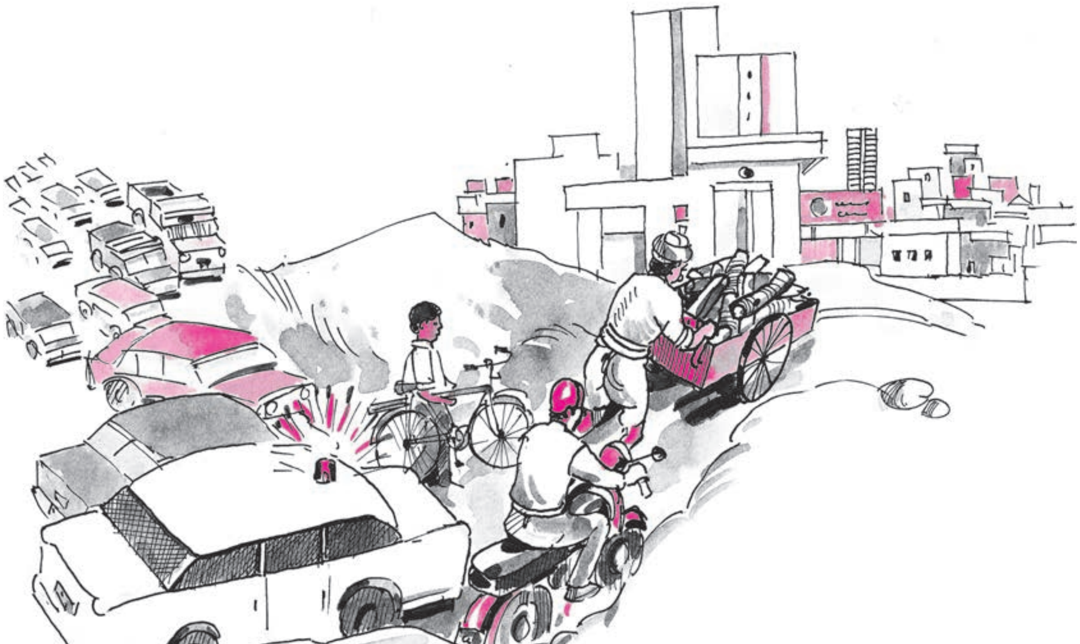

ریلوے کا ایک ڈرائیور بار بار اپنی سائیکل کا اگلا پہیّہ اٹھا اٹھا کر پٹک رہا ہے۔ پریشانی کی وجہ سے اس کے ماتھے پر پسینہ آرہا ہے، کیوں کہ جس گاڑی کو لے کر اسے جانا ہے، اس کے جانے کا وقت ہو چکا ہے اور وہ یہاں راستے میں قید ہو کر رہ گیا ہے۔

اسکولوں اور کالجوں کے زیادہ تر بچّے خوش ہیں۔ جتنے پیریڈ نکل جائیں اتنا ہی اچھّا ہے لیکن کچھ ایک کو افسوس بھی ہے کہ ان کی پڑھائی پیچھے رہ جائے گی۔

اسی طرح سر پر لوہے کی ٹوپی پہنے ہوئے فوجی بار بار موٹر سائیکل کا ہارن بجا رہا ہے لیکن آگے نہیں بڑھ پا رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر دفتر پہنچنے میں دیر ہوگئی تو اس کا کمانڈ نٹ آفیسر چالیس کلو کا وزن پیٹھ پر لدوا کر دس کلو میٹر کا روڈ مارچ کروادے گا۔

لیکن بندوان سب سے بے خبر ہے۔ بے نیاز ہے۔

آج اس سے ٹھیلہ کھینچ بھی نہیں پا رہا۔ ایک تو سیٹھ کے بچّے نے زیادہ بوجھ لاد دیا ہے دوسرے اس کے ٹھیلے کا دھُرا جام ہورہا ہے۔ تیسرے یہ کہ چڑھائی کا راستہ ہے اور چوتھے یہ کہ اس کا من ہی نہیں ہو رہا ہے ٹھیلہ کھینچنے کا۔ وہی کاٹھ کے گھوڑے والی بات ہو رہی ہے جو اپنے آپ سرک نہیں سکتا۔ جب کبھی اس کا من اداس ہوتا ہے تو اس کی کیفیت اس کاٹھ کے گھوڑے جیسی ہوجاتی ہے جسے وہ بچپن میں ایک میلے سے خرید کر بڑا دکھی ہوا تھا۔

کاٹھ کا رنگین گھوڑا لے کر جب وہ بڑے فخر سے گلی کے بچّوں کے بیچ گیا تو اس نے دیکھا کہ کسی کے پاس چابی والی موٹر تھی جو گھوں گھوں کرتی ہوئی تیز بھاگتی تھی اور کسی کے پاس ریل گاڑی تھی، انجن سمیت اپنے آپ چلنے والی گاڑی۔ جس کے پاس ایسے دوڑنے والے کھلونے نہیں تھے، ان کے پاس رسّی کے سہارے گھومنے والے رنگین لٹّو تھے۔ تیزی سے گھومتے ہوئے وہ ایسے لگتے تھے جیسے وہ سارے میدان کو اپنے گھیرے میں لے رہے ہوں۔ ان کھلونوں کے سامنے اُس کا کاٹھ کا گھوڑا ساکت بے جان تھا۔ ویسے بچّوں کے سامنے کھیلتے ہوئے اس نے بھی اپنے گھوڑے کو ٹانگوں کے بیچ پھنسا کر دوڑنے کا سوانگ کیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ جانتا تھا کہ اس کا کھلونا دوسروں کے کھلونے کے سامنے بے کار اور بے معنی ہے۔ اسی لیے گھر آکر اس نے کاٹھ کے گھوڑے کو چولہے کی آگ میں جھونک دیا تھا۔ لیکن جلنے کے باوجود جیسے وہ بے جان کاٹھ کا گھوڑا اس کی شخصیت کے ساتھ چپک کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ ہوا یہ کہ گلی کے ہی بچے جو اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے ان میں سے کوئی پڑھ لکھ کر منیم بن گیا تھا تو کوئی وکیل۔ کوئی اسکول کا ماسٹر ہوگیا تھا تو کوئی بڑا افسر۔ اور اس کے برعکس بندو وہی کاٹھ کا گھوڑا ہی رہ گیا۔ باپ ٹھیلا چلاتا تھا تو وہ بھی ٹھیلہ ہی کھینچ رہا ہے۔

وہ اکثر سوچتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیسے ہوا کہ ایک ہی گلی میں رہتے ہوئے باقی لوگ آگے بڑھ گئے اور وہ پیچھے رہ گیا۔ ایسا کیوں کر ہوگیا؟ لیکن وہ سوچے بھی تو کیا؟ کاٹھ کا گھوڑا بھلا سوچ ہی کیا سکتا ہے؟

لیکن آج وہی کاٹھ کا گھوڑا یہی سوچ کر اُداس ہورہا ہے کہ اس کے آٹھ نو سال کے لڑکے چندو نے محض اس لیے اسکول جانا بند کردیا ہے کہ وہ اس کے لیے ضرورت کی چیزیں جُٹا نہیں پاتا۔ ''جب میں اپنی زندگی کی گاڑی ٹھیک سے نہیں کھینچ پاتا تو پھر اس ٹھیلے کے بوجھ کو کیوں کھینچوں؟'' بندو سوچ رہا ہے۔

اس کے دل نے کہا کہ ٹھیلہ جو پہلے ہی سرک نہیں پارہا ہے اُسے چھوڑ چھاڑ کر الگ کھڑا ہوجاؤں۔ اس کی ہمّت پہلے ہی جواب دے رہی ہے ۔ رہ رہ کر اس کے دل میں خیال اٹھ رہے ہیں کہ ایک دن اس کے چندوکو بھی اسی طرح ٹھیلے کے بوجھ کو کھینچنا پڑے گا۔ اور اس خیال کے ساتھ اُسے اپنی جان ٹوٹتی ہوئی سی محسوس ہو رہی ہے اور اس کے لیے ایک ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہورہا ہے۔

لیکن اس کے پیچھے جو لوگ کھڑے ہیں وہ اتاؤلے ہورہے ہیں۔بار بار ہارن بجا کر اپنے غصّے کا اظہار کررہے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کے پاس آیا اور بولا۔'' بھیّا جلدی کرو۔تمھارے پیچھے پوری دنیا رُکی پڑی ہے۔'' اٹکی پڑی ہے۔ ''اٹکی ہے تو اٹکی رہے۔'' بندو جھنجھلا کر بولا۔'' جو لوگ تیز جانا چاہتے ہیں ان سے کہو کہ میرے پیروں میں بھی پہیّے لگوادیں۔''

''بات تو ٹھیک کہتا ہے۔'' کسی نے کہا۔'' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ اتنے تیز ہو جائیں کہ وہ ہوا سے باتیں کرنے لگیں اور کچھ کو اتنا مجبور کردیا جائے کہ ان کے لیے ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہوجائے۔''

یہ سب باتیں گاڑیوں کے ہارن کی آوازوں اور لوگوں کے شور میں دبی جارہی ہیں۔

کاٹھ کے گھوڑے میں قدم اٹھانے کی ہمّت نہیں۔ وہ آگے نہیں بڑھ پا رہا ۔ اور اس کے پیچھے بھیڑ میں وہ وزیر رُکا ہوا ہے جسے کسی غیر ملکی وفد سے وقت مقرّرہ پر بات کرنا ہے، وہ ڈرائیور اٹکا ہوا ہے، جسے ملک کے کسی دوسرے شہر کی طرف ریل گاڑی لے کر جانا ہے، اسکول کے وہ بچّے رُکے ہوئے ہیں جو کل کے مالک ہوں گے۔ڈاکٹر، نرس، انجینیر سب کے قدم بندھ کر رہ گئے ہیں۔

اور بندو کاٹھ کا گھوڑا اندھیر دیو کے بازار میں اپنے ٹھیلے کے ساتھ کھڑا ہوگیا ہے۔ اس کے پاؤں میں حرکت آئے تو زندگی آگے بڑھے۔

(رتن سنگھ)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

کاٹھ کا گھوڑا	:	لکڑی کا گھوڑا
وفد	:	نمائندوں کی جماعت
روڈ مارچ	:	حکم نہ ماننے پر فوجی کی پیٹھ پر بھاری بوجھ لدوا کر سڑک پر دوڑایا جانا
بے نیاز	:	بے پروا
ساکت	:	بے حرکت
سوانگ	:	خاموش نقل (روپ بدلنا)
برعکس	:	برخلاف
محض	:	صِرف
مقرّرہ	:	طے شدہ

● غور کیجیے:

☆ ہمیں ان اسباب کی تہ تک پہنچنا چاہیے کہ زندگی کی دوڑ میں کچھ لوگ بہت آگے کیوں نکل جاتے ہیں اور کچھ لوگ کیوں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اگر ہمیں ترقی اور پچھڑ جانے کے اسباب کا علم ہوجائے تو پھر ہم آسانی سے اپنی کم زوریوں پر قابو پاسکتے ہیں۔

● سوچیے اور بتایئے:

1۔ بندو کو کاٹھ کا گھوڑا کیوں کہا گیا ہے؟

2۔ بندو کی سست رفتاری کا اثر کن کن لوگوں پر پڑا؟
3۔ وزیر کی بے چینی کا سبب کیا تھا؟
4۔ کاروباریوں کے لیے ''پل'' کے معنی لاکھوں کے گھاٹے کے کیوں ہیں؟
5۔ چندو کے بارے میں بندو کے ذہن میں کیا خیال آیا؟
6۔ پیروں میں پہیّے لگوانے سے بندو کی کیا مراد تھی؟

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

قطار ....
رفتار ....
کیفیت ....
فخر ....
دشوار ....
حرکت ....

• نیچے دیے ہوئے لفظوں سے خالی جگہوں کو بھریے:

حرکت سوانگ رفتار ساکت شخصیت

1۔ ساری دنیا کی ....دھیمی پڑ گئی۔
2۔ ان کھلونوں کے سامنے اس کا کاٹھ کا گھوڑا............بے جان تھا۔
3۔ اس نے بھی اپنے گھوڑے کو ٹانگوں کے بیچ پھنسا کر دوڑنے کا............کیا تھا۔
4۔ وہ بے جان کاٹھ کا گھوڑا اس کی............ سے چپک کر رہ گیا تھا۔
5۔ اس کے پاؤں میں ....آئے تو زندگی آگے بڑھے۔

● نیچے دیے ہوئے جملوں پر غور کیجیے:

1۔ اسکولوں اور کالجوں کے زیادہ تر بچے خوش ہیں۔

2۔ ان کے پاس رسّی کے سہارے گھومنے والے رنگین لٹو تھے۔

3۔ کچھ ایک کو افسوس بھی ہے کہ اُن کی پڑھائی پیچھے رہ جائے گی۔

☆ پہلا جملہ 'ہیں' پر ختم ہوتا ہے، جو موجودہ زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جہاں ایسی حالت اور کیفیت واقع ہوتی ہے اُسے 'حال' کہتے ہیں۔

☆ دوسرا جملہ 'تھے' پر ختم ہوتا ہے ، جو گزرے ہوئے زمانے کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ جہاں ایسی حالت اور کیفیت واقع ہوتی ہے، اسے 'ماضی' کہتے ہیں۔

☆ تیسرا جملہ 'گی' پر ختم ہوتا ہے، جو آنے والے زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جہاں ایسی حالت اور کیفیت واقع ہوتی ہے اسے 'مستقبل' کہتے ہیں۔

نیچے دیے ہوئے جملوں میں 'زمانے' کی نشان دہی کیجیے۔

1۔ احمد کل آیا تھا۔ (   )

2۔ موہن بازار سے لوٹ آیا ہے۔ (   )

3۔ سردی کا زمانہ کب آئے گا۔ (   )

4۔ گرمی کا موسم جارہا ہے۔ (   )

5۔ ہم عید کے دن ملیں گے۔ (   )

● عملی کام:

کاٹھ کے گھوڑے کی تصویر بنائیے اور اس میں رنگ بھریے۔

ساحؔر لدھیانوی

(1921 – 1980)

ساحؔر کا اصل نام عبدالحئی تھا وہ ساحؔر لدھیانوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ لدھیانہ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ 1936 میں ترقی پسند تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک سے وابستہ ہونے والوں میں ساحؔر بھی شامل تھے۔ 1947 میں تقسیم ملک کے بعد دہلی چلے آئے پھر تلاش معاش میں ممبئی پہنچے، جہاں انھوں نے فلموں کے لیے گیت لکھے۔ ساحؔر نے اپنی شاعری سے ہندوستانی فلموں میں گانوں کے معیار کو بہت بلند کیا۔ اپنے زمانے کے وہ سب سے مشہور گیت کار تھے۔ ان کے فلمی گیتوں میں بھی ان کی شاعری کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ عوام کے دکھ درد کا احساس اور ماحول کی کشمکش کا اثر ان گیتوں میں نمایاں ہے۔ ''تلخیاں'' ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس کے بہت سے ایڈیشن شائع ہوئے۔ '' آؤ کہ کوئی خواب بُنیں'' بھی ان کی شاعری کا معروف مجموعہ ہے۔ '' گاتا جائے بنجارہ'' میں ساحؔر کے فلمی گیت یکجا کردیے گئے ہیں۔ ساحؔر کی ''پرچھائیاں'' اردو کی طویل نظموں میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔

اے شریف انسانو!

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسلِ آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امنِ عالم کا خون ہے آخر

بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر
روحِ تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ غیروں کے
زیست فاقوں سے تِلملاتی ہے

ٹینک آگے بڑھیں کہ پیچھے ہٹیں
کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ
زندگی میّتوں پہ روتی ہے

جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے
جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی
بھوک اور احتیاج کل دے گی

اس لیے اے شریف انسانو!
جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں
شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

(ساحرؔ لدھیانوی)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

نسلِ آدم	:	آدم کی نسل، تمام انسان
مشرق	:	پورب
مغرب	:	پچھّم
فتح	:	جیت
احتیاج	:	ضرورت
عالَم	:	دنیا
روحِ تعمیر	:	تعمیر کا جذبہ، زندگی کو بنانے، سنوارنے کی خواہش
زیست	:	زندگی
جشن	:	خوشی کی تقریب، چہل پہل

• غور کیجیے:

☆ جنگ سے بربادی اور تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جنگ انسانی ترقّی اور خوش حالی کی دشمن ہے۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ ''روحِ تعمیر'' کے زخم کھانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

2۔ دھرتی کی کوکھ بانجھ ہونے سے کیا مطلب ہے؟

3۔ شاعر نے جنگ کو امنِ عالم کا خون کیوں کہا ہے؟

• عملی کام:

☆ اس نظم میں اپنا ، پرایا، مشرق، مغرب وغیرہ متضاد الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ایسے ہی کچھ لفظوں کی فہرست بنائیے۔

☆ جنگ کے نقصانات پر مختصر مضمون لکھیے۔

ترجمہ

ترجمہ نگاری ایک مشکل فن ہے۔ اس کے لیے ایک سے زائد زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہونا لازمی ہے۔ یہ قدرت لغوی مفاہیم پر نہیں، روز مرّہ، محاورہ اور زبان کے طریقۂ کار پر ہونا بھی ضروری ہے۔ جس زبان سے ترجمہ کیا جا رہا ہے، اس زبان کے بولنے والوں کی معاشرت اور طرزِ فکر سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ ان تمام خصوصیات کے بغیر صحیح اور اچھا ترجمہ ممکن نہیں ہے۔

سبق '' اَوَنتی'' ایک جاپانی کہانی کا ترجمہ ہے۔ '' اونتی'' ایک حاضر جواب اور ذہین کردار ہے۔ اس کے جوابات پر ہنسی آتی ہے، لیکن وہ مسائل کو حل کرنے کا ہنر بھی جانتا ہے۔ جاپان کا یہ کردار ملاّ نصیرالدین سے ملتا جُلتا ہے۔

اَوَنتی

اَوَنتی ایک خوش مزاج اور ہنس مُکھ شخص تھا۔ غریبوں کا تو وہ بہت ہی عزیز دوست تھا۔ اس لیے لوگ اُس سے بڑی محبّت کرتے تھے۔ بعض لوگ اُس سے حسد کرتے تھے اور اُس کو چڑھانے اور نیچا دکھانے کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ لیکن اونتی اپنی سُوجھ بُوجھ سے اُلٹا انھیں کو قائل کر دیتا تھا۔

ایک بار اونتی کا مذاق اُڑانے کے لیے ایک آدمی نے اُس سے کہا ''اونتی! رات کو سو رہا تھا تو میرا مُنہ کھُلا رہ گیا۔ اُسی وقت ایک چوُہا آیا اور میرے مُنھ میں گھُس کر میرے پیٹ میں چلا گیا۔ اب تمھیں بتاؤ میں کیا کروں۔''

اونتی نے فوراً جواب دیا۔ ''میرے دوست، بس ایک ہی علاج ہے۔ تم ایک زندہ بلّی کو پکڑ کر اُسے نگل جاؤ۔''

ایک بار اونتی کسی دوست کی بارات میں گیا۔ بارات والوں کو بہت اچھّا کھانا کھلایا گیا۔ اونتی نے بھی خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ کھانا کھاتے وقت اُس نے دیکھا کہ ایک مہمان مٹھائیاں صِرف کھا ہی نہیں رہا ہے بلکہ جیب میں بھی بھرتا جا رہا ہے۔ اونتی بھلا ایسے موقعے پر کب چُوکنے والا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور چائے کی کیتلی اُٹھا کر

اُس مہمان کی جیب میں اُنڈیلنے لگا تو وہ ناراض ہوکر بولے۔ ’’یہ کیا بدتمیزی ہے؟‘‘ چائے اُنڈیلتے اُنڈیلتے اونتی نے بھولے پن سے جواب دیا۔ ’’بھائی، میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا ہوں۔ آپ کی جیب نے بہت ساری مٹھائیاں کھائی ہیں اس لیے اُسے پیاس بھی ضرور لگی ہوگی۔ میں اُسے چائے پلا رہا ہوں۔‘‘

ایک بار اونتی کے مُلک میں تین غیر ملکی تاجر آئے۔ اس ملک کے بادشاہ کے دربار میں آکر انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہمارے سوالوں کے جواب دیے جائیں۔ وہاں کوئی ان کے سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔ یہاں تک کے بادشاہ بھی الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ کسی نے بادشاہ کو رائے دی کہ اونتی کو بلایا جائے وہی ان سوالوں کا جواب دے سکتا ہے۔ بادشاہ نے اونتی کو بلانے کی اجازت دے دی۔ ہاتھ میں لاٹھی لیے اپنے گدھے پر سوار اونتی دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے تاجروں کے سوالوں کا جواب دینے کا حکم دیا۔ اونتی نے کہا کہ تاجر اپنے سوال پوچھیں۔

پہلے تاجر نے سوال کیا۔ ’’بتاؤ زمین کا مرکز کہاں ہے؟‘‘

اونتی نے کسی تامّل کے بغیر لاٹھی سے اپنے گدھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔'' ٹھیک وہاں، جہاں میرے گدھے کا اگلا دایاں قدم رکھا ہوا ہے۔ وہیں زمین کا مرکز ہے۔''

اونتی کا جواب سن کر تاجر بہت متعجب ہوا۔ اس نے پوچھا۔'' آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مرکز وہیں پر ہے اور کسی دوسری جگہ نہیں ہے۔''

''اگر آپ یقین نہیں کرتے ہیں تو جا کر خود ناپ لیں۔ مرکز اس جگہ سے بال برابر بھی ادھر یا اُدھر نکلے تو میں مان لوں گا کہ میرا جواب غلط ہے۔'' اونتی کے جواب سے تاجر لاجواب ہوگیا۔

اونتی نے اب دوسرے تاجر سے اس کا سوال پوچھا۔ دوسرے تاجر نے کہا۔'' کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آسمان میں کتنے تارے ہیں؟''

اونتی نے فوراً ہی جواب دیا۔'' میرے گدھے کے بدن پر جتنے بال ہیں، آسمان میں ٹھیک اتنے ہی تارے ہیں۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔''

تاجر نے پوچھا۔'' آپ یہ کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟''

اونتی بولا۔''یقین نہ آئے تو گن کر دیکھ لو، اگر کم یا زیادہ ہو تو کہنا۔''

تاجر بولا۔'' بھلا گدھے کے بال کیسے گنے جا سکتے ہیں؟''

اونتی نے کہا۔'' تو تمھیں بتاؤ کہ آسمان کے تارے کیوں کر گنے جا سکتے ہیں؟'' بیچارا تاجر کوئی جواب نہ دے سکا، چپ ہو گیا۔

اب تیسرے تاجر کی باری آئی۔ اونتی نے اس سے بھی سوال پوچھنے کو کہا۔ تیسرے تاجر نے اپنے سر کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: ''اچھا بتاؤ میرے سر پر کتنے بال ہیں؟''

اونتی نے ہنس کر کہا۔''اگر تم بتا دو کہ میرے گدھے کی دم میں کتنے بال ہیں تو میں تمھارے سر کے بالوں کی تعداد بتا دوں گا۔'' یہ سن کر تاجر لاجواب ہو گیا اور بغلیں جھانکنے لگا۔

سب درباری اونتی کے جوابات سن کر حیرت میں تھے۔ بادشاہ نے اسے حاضر جوابی اور ہوشیاری کا انعام دیا اور تینوں تاجر اپنا منہ لٹکائے واپس چلے گئے۔

ایک بار ایک غریب مزدور نے ایک سرائے والے سے مرغی کا کباب لے کر کھایا۔ اس دن اس کے پاس پیسے نہ تھے۔ وہ قیمت فوراً نہ دے سکا اور دوسرے دن کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ جب وہ دوسرے دن قیمت دینے آیا تو سرائے والے نے اس سے ایک ہزار روپے طلب کیے۔

مزدور کا منہ حیرت سے کھُلا رہ گیا''ایک ہزار روپے'!وہ سرائے والے سے بولا''ایک مرغی کے کباب کی قیمت ایک ہزار روپے۔''

کیوں نہیں، تم خود ہی حساب لگا لو۔ اگر تم مرغی نہ کھاتے تو وہ کتنے انڈے دیتی؟ ان انڈوں سے کتنے بچّے نکلتے؟ اور اس طرح جتنے بچے نکلتے ان کی قیمت اتنی ہی ہوتی ہے۔'' سرائے کے مالک نے کہا۔

مزدور نے کہا۔'' میں اتنا پیسہ نہیں دوں گا۔''

اس پر دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ آخر کار وہ عدالت میں پہنچے۔'' منصف نے انھیں اگلے دن اپنے اپنے وکیل کے ساتھ آنے کو کہا۔

مزدور نے اونتی کے بارے میں سُن رکھا تھا۔ وہ اونتی کے پاس گیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اونتی نے مزدور سے کہا۔'' تم ٹھیک وقت پر عدالت میں پہنچ جانا۔ میں وہیں آ جاؤں گا۔''

اگلے دن ٹھیک وقت پر سرائے کا مالک اور مزدور عدالت میں پہنچے۔ سرائے کے مالک کے وکیل نے وہی پرانی کہانی دہرا

دی۔ اب مزدور کو اپنی حمایت میں کچھ کہنا تھا۔ لیکن اس وقت تک اونتی وہاں پہنچ نہیں پایا تھا جس سے مزدور بہت پریشان تھا۔

اتنی دیر میں اونتی وہاں آ پہنچا۔ اس نے دیر سے پہنچنے کے لیے معافی مانگی اور کہا: آج مجھے اپنے کھیت میں گیہوں بونا تھا۔ اس لیے میں انھیں بھنوانے چلا گیا تھا۔'' اس بات پر سب لوگ ہنس پڑے۔

منصف نے اونتی سے پوچھا'' کیا کہیں بھنے ہوئے گیہوں سے بھی پودے اگتے ہیں؟

اونتی بولا۔'' آپ ٹھیک کہتے ہیں جناب، بھُنے ہوئے گیہوں سے پودے نہیں اُگ سکتے۔ اسی طرح بھنی ہوئی مرغی بھی انڈے نہیں دے سکتی۔''

منصف کو اونتی کی بات بالکل ٹھیک معلوم ہوئی۔ اس لیے اس نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔'' سرائے کے مالک کو صرف ایک مرغی کی قیمت پانے کا اختیار ہے۔''

(ترجمہ جاپانی لوک کہانی)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

تاجر	:	تجارت کرنے والا
تامّل	:	جھجک
حسد	:	جلن
متعجّب	:	حیران ہونا
حمایت	:	ساتھ دینا
حاضر جوابی	:	کسی سوال کا فوراً جواب دینا

غور کیجیے

☆ حاضر جوابی اور ذہانت سے انسان کو عزّت اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔

سوچیے اور بتایئے:

1۔ اونتی نے زمین کا مرکز کہاں بتایا؟
2۔ آسمان میں کتنے تارے ہیں، اونتی نے اس سوال کا کیا جواب دیا؟
3۔ سرائے والے اور مزدور میں کیا جھگڑا تھا؟
4۔ اونتی نے سرائے والے اور مزدور کے جھگڑے کو حل کرنے کے لیے کیا دلیل دی؟

نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

نیچا دکھانا　　منہ لٹکانا　　بغلیں جھانکنا

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

الجھن　　بلّی　　ناپ　　بالکل

1. تم ایک زندہ........کو پکڑ کر اسے نگل جاؤ۔
2. بادشاہ پھر...........میں مبتلا ہو گیا۔
3. اگر آپ یقین نہیں کرتے ہیں تو جا کر خود..............لیں۔
4. منصف کو اونتی کی بات..............ٹھیک معلوم ہوئی۔

عملی کام:

☆ اَونتی کی حاضر جوابی کے بارے میں چند جملے لکھیے۔

حبیب تنویر

(1923 - 2009)

حبیب تنویر کا اصل نام حبیب احمد خاں اور تنویر تخلص ہے۔ ادبی اور ثقافتی دنیا میں وہ حبیب تنویر کے نام سے جانے جاتے تھے۔ناگ پور یونیورسٹی سے بی۔اے کرنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہوگئے۔ ابتدا میں انھوں نے فلمی گیت اور مکالمے لکھے پھر قدسیہ زیدی کے ہندوستانی تھیٹر میں شامل ہوگئے۔لندن اور جرمنی میں ڈرامے کی تکنیک پر مہارت حاصل کی۔

انھوں نے بہت سے اردو ڈرامے لکھے، جنھیں بہت سے مشرقی اور مغربی ملکوں میں اسٹیج کیا گیا۔ ان میں ’’سات پیسے‘‘، ’’چرن داس چور‘‘، ’’ہرما کی کہانی‘‘، ’’آگرہ بازار‘‘، ’’ شاجاپور کی شانتی بائی‘‘، ’’ مٹی کی گاڑی‘‘ اور ’’میرے بعد‘‘ بہت مشہور ہوئے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کے ذریعے چھتیس گڑھ کے لوک کلاکاروں کو قومی سطح پر روشناس کرایا۔

حبیب تنویر کو قومی اور بین الاقوامی سطح کے کئی اعزازات سے نوازا گیا ہے۔حکومتِ فرانس نے ان کو اپنی سوانح حیات لکھنے کے لیے اسکالرشپ دینے کا اعلان کیا ہے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام تک وہ اِسے قلم بند کرنے میں مصروف تھے۔

ہندی، بنگالی، مراٹھی، اور یورپ کی کئی زبانوں میں ان کے ڈرامے ترجمہ ہو چکے ہیں۔

کارتوس

ڈرامے کے کردار: کرنل
لیفٹیننٹ
سپاہی
سوار

زمانہ	:	1799
وقت	:	رات
جگہ	:	(گورکھ پور کے جنگلوں میں کرنل کالنز کے خیمے کا اندرونی حصّہ۔ دو انگریز بیٹھے باتیں کررہے ہیں کرنل کالنز اور ایک لیفٹیننٹ ۔ خیمے کے باہر چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ اندر لیمپ جل رہا ہے۔)

کرنل	:	جنگل کی زندگی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔
لیفٹیننٹ	:	ہفتوں ہوگئے یہاں خیمہ ڈالے ہوئے۔ سپاہی بھی تنگ آ گئے ہیں۔ یہ وزیرعلی آدمی ہے یا بھوت ؟ ہاتھ ہی نہیں لگتا۔
کرنل	:	اس کے افسانے سن کر رابن ہڈ کے کارنامے یاد آجاتے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف اس کے دل میں کس قدر نفرت ہے۔ کوئی پانچ مہینے حکومت کی ہوگی۔ مگر اس پانچ مہینے میں وہ اودھ کے دربار کو انگریزی اثر سے بالکل پاک کردینے میں تقریباً کامیاب ہوگیا تھا۔
لیفٹیننٹ	:	کرنل کالنز، یہ سعادت علی کون ہے؟
کرنل	:	آصف الدولہ کا بھائی ہے۔ وزیرعلی کا چچا اور اس کا دشمن۔ در اصل نواب آصف الدولہ کے ہاں لڑکے کی کوئی امید نہ تھی۔ وزیرعلی کی پیدائش کو سعادت علی نے اپنی موت خیال کیا۔

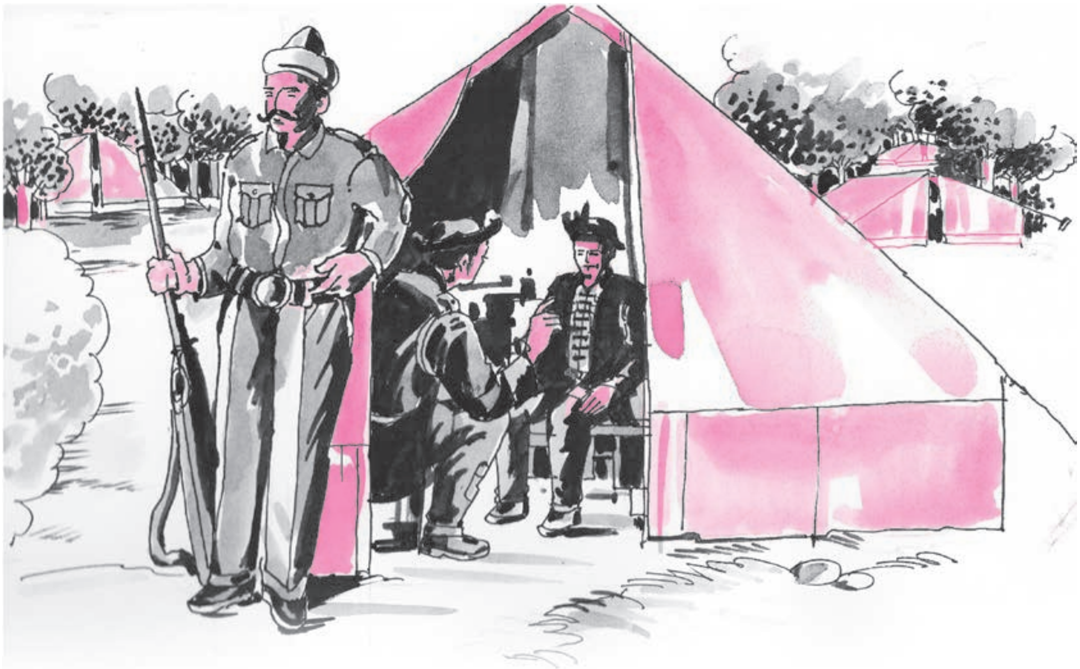

لیفٹیننٹ	:	مگر سعادت علی کو اودھ کے تخت پر بٹھانے میں کیا مصلحت تھی؟
کرنل	:	سعادت علی ہمارا دوست ہے اور بہت عیش پسند آدمی ہے۔ اس نے ہمیں اپنی آدھی مملکت دے دی۔ اور دس لاکھ روپے نقد، اب وہ بھی مزے کرتا ہے اور ہم بھی۔
لیفٹیننٹ	:	سنا ہے یہ وزیر علی افغانستان کے بادشاہ شاہ زماں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔
کرنل	:	افغانستان کو حملے کی دعوت سب سے پہلے اصل میں ٹیپو سلطان نے دی۔ پھر وزیر علی نے بھی اسے دلّی بلایا اور شمس الدولہ نے بھی ۔
لیفٹیننٹ	:	کون شمس الدولہ؟
کرنل	:	نواب بنگال کا نسبتی بھائی ۔ بہت خطرناک آدمی ہے۔
لیفٹیننٹ	:	اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ کمپنی کے خلاف سارے ہندوستان میں ایک لہر دوڑ گئی ہے۔
کرنل	:	جی ہاں۔اور اگر یہ کامیاب ہوگئی تو بکسر اور پلاسی کے کارنامے دھرے رہ جائیں گے اور کمپنی جو ساکھ لارڈ کلائیو کے ہاتھوں حاصل کر چکی ہے، لارڈ ویلزلی کے ہاتھوں وہ سب کھو بیٹھے گی۔

لیفٹیننٹ	:	وزیرعلی کی آزادی بہت خطرناک ہے۔ہمیں کسی نہ کسی طرح اس شخص کو گرفتار کرہی لینا چاہیے۔
کرنل	:	پوری ایک فوج لیے اس کا پیچھا کررہا ہوں اور برسوں سے وہ ہماری آنکھوں میں دھول ڈالے اِنھی جنگلوں میں پھر رہا ہے اور ہاتھ نہیں آتا۔ اس کے ساتھ چند جاں باز ہیں۔مٹھّی بھرآدمی مگر یہ دم خم!
لیفٹیننٹ	:	سنا ہے وزیرعلی ذاتی طور سے بہت بہادر آدمی ہے۔
کرنل	:	بہادر نہ ہوتا تو یوں کمپنی کے وکیل کو قتل کر دیتا؟
لیفٹیننٹ	:	یہ قتل کا کیا قصّہ ہوا تھا کرنل؟
کرنل	:	قصّہ کیا ہوا تھا؟ وزیرعلی کو معزول کرنے کے بعد ہم نے اسے بنارس پہنچا دیا اور تین لاکھ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ کچھ مہینے بعد گورنر جنرل نے اسے کلکتے طلب کیا۔وزیرعلی کمپنی کے وکیل کے پاس گیا جو بنارس میں رہتا تھا اور اس سے شکایت کی کہ گورنر جنرل اسے کلکتے میں کیوں طلب کرتا ہے۔ وکیل نے شکایت کی پروانہ کی۔ اُلٹا اسے بُرا بھلا سنا دیا۔ وزیرعلی کے دل میں یوں بھی انگریزوں کے خلاف نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس نے خنجر سے وکیل کا کام تمام کر دیا۔
لیفٹیننٹ	:	اور بھاگ گیا؟
کرنل	:	اپنے جاں نثاروں سمیت اعظم گڑھ کی طرف بھاگ گیا۔ اعظم گڑھ کے حکمرانوں نے ان لوگوں کو اپنی حفاظت میں گھاگھرا تک پہنچا دیا۔ اب یہ کارواں جنگلوں میں کئی سال سے بھٹک رہا ہے۔
لیفٹیننٹ	:	مگر وزیرعلی کی اسکیم کیا ہے؟
کرنل	:	اسکیم یہ ہے کہ کسی طرح نیپال پہنچ جائے، افغانی حملے کا انتظار کرے، اپنی طاقت بڑھائے، سعادت علی کو معزول کر کے خود اودھ پر قبضہ کر لے اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دے۔
لیفٹیننٹ	:	نیپال پہنچنا تو کوئی ایسا مشکل نہیں۔ممکن ہے پہنچ گیا ہو۔
کرنل	:	ہماری فوجیں اور نواب سعادت علی خاں کے سپاہی بڑی سختی سے اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ انھی جنگلوں میں ہے۔

(ایک گورا سپاہی تیزی سے داخل ہوتا ہے)

گورا سپاہی	:	سر!

کرنل	:	(اُٹھ کر) کیا بات ہے؟
گورا سپاہی	:	دور سے گرد اٹھتی دکھائی دے رہی ہے۔
کرنل	:	سپاہیوں سے کہہ دو کہ تیار رہیں۔
		(سپاہی سلام کر کے چلا جاتا ہے)
لیفٹیننٹ	:	(جو کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا)
		گرد تو ایسی اڑ رہی ہے جیسے پورا ایک قافلہ چلا آ رہا ہے مگر مجھے تو ایک ہی سوار دکھائی دیتا ہے۔
کرنل	:	(کھڑکی کے پاس جا کر) ہاں ایک ہی سوار ہے۔ سرپٹ گھوڑا دوڑائے چلا آ رہا ہے۔
لیفٹیننٹ	:	اور سیدھا ہماری طرف ہی آتا معلوم ہوتا ہے۔
		(کرنل تالی بجا کر سپاہی کو بلاتا ہے)
کرنل	:	(سپاہی سے) سپاہیوں سے کہو اس سوار پر نظر رکھیں کہ یہ کس طرف جا رہا ہے۔
		(سپاہی سلام کر کے چلا جاتا ہے)

لیفٹیننٹ	:	شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ تیزی سے اسی طرف آرہا ہے۔
		(ٹاپوں کی آواز بہت قریب آ کر رک جاتی ہے)
سوار	:	(باہر سے) مجھے کرنل سے ملنا ہے۔
گورا سپاہی	:	(چلّا کر) بہت اچھا۔
سوار	:	بھئی آہستہ بولو۔
گورا سپاہی	:	(اندر جا کر) حضور! سوار آپ سے ملنا چاہتا ہے۔
کرنل	:	بھیج دو۔
لیفٹیننٹ	:	وزیر علی کا ہی کوئی آدمی ہوگا۔ ہم سے مل کر اُسے گرفتار کروانا چاہتا ہوگا۔
کرنل	:	خاموش (سوار سپاہی کے ساتھ اندر آتا ہے)
سوار	:	(آتے ہی پکار اٹھتا ہے) تنہائی تنہائی۔
کرنل	:	یہاں کوئی غیر آدمی نہیں۔ آپ رازِ دل کہہ دیں۔
سوار	:	دیوار ہم گوش دارد۔ تنہائی۔

(کرنل لیفٹیننٹ اور سپاہی کو اشارہ کرتا ہے۔ دونوں باہر چلے جاتے ہیں) جب کرنل اور سوار خیمے میں تنہا رہ جاتے ہیں تو ذرا وقفے کے بعد سوار چاروں طرف دیکھ کر کہتا ہے۔)

سوار	:	آپ نے اس مقام پر کیوں خیمہ ڈالا ہے؟
کرنل	:	کمپنی کا حکم ہے کہ وزیر علی کو گرفتار کیا جائے۔
سوار	:	لیکن اتنا لاؤلشکر کیا معنی؟
کرنل	:	گرفتاری میں مدد دینے کے لیے۔
سوار	:	وزیر علی کی گرفتاری بہت مشکل ہے صاحب!
کرنل	:	کیوں؟
سوار	:	وہ ایک جاں باز سپاہی ہے۔
کرنل	:	میں نے بھی سن رکھا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟

سوار : چند کارتوس

کرنل : کس لیے؟

سوار : وزیرعلی کو گرفتار کرنے کے لیے۔

کرنل : واہ ! یہ لودس کارتوس۔

سوار : (مسکراتے ہوئے) شکریہ۔

کرنل : آپ کا نام؟

سوار : وزیرعلی! آپ نے مجھے کارتوس دیے ہیں، اس لیے آپ کی جاں بخشی کرتا ہوں۔

(یہ کہہ کر باہر نکل جاتا ہے۔ ٹاپوں کا شور سنائی دیتا ہے۔ کرنل سنّاٹے میں ہکّا بکّا کھڑا ہے۔ لیفٹیننٹ اندر آ جاتا ہے۔)

لیفٹیننٹ : کون تھا؟

کرنل : (دبی زبان میں اپنے آپ سے) ایک جاں باز سپاہی۔

(پردہ)

(حبیب تنویر)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

خیمہ	:	تنبو، ٹینٹ
جاں باز	:	بہادر، جان پر کھیل جانے والا
مصلحت	:	حکمت، پالیسی،
ساکھ	:	نیک نامی، اعتبار
معزول	:	تخت یا گدّی سے اتارا ہوا
دیوار ہم گوش دارد	:	دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں
مملکت	:	حکومت ،سلطنت
رازِ دل	:	دل کی بات، بھید
وقفہ	:	مہلت ،تھوڑی سی دیر
لاؤلشکر	:	فوج اور اس کا ساز و سامان

• غور کیجیے:

☆ وطن سے محبت کرنے والے جاں باز تاریخ میں زندہ رہتے ہیں اور ہمیشہ ان کی قدر کی جاتی ہے۔

• سوچیے اور بتایئے:

1۔ وزیر علی کے کارنامے سن کر کس کے کارنامے یاد آتے ہیں؟

2۔ سعادت علی کو انگریزوں نے اودھ کے تخت پر کیوں بٹھایا؟

3۔ سعادت علی کیسا آدمی تھا؟

4۔ کرنل سے کارتوس مانگنے والا سوار کون تھا؟

نیچے دیے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

تخت خلاف پاک بہادر جاں باز وظیفہ اسکیم

جمع کے واحد اور واحد کے جمع بنائیے۔

جنگل شکایات افواج سلاطین وظیفہ وزیر

نیچے لکھے ہوئے جملوں میں صحیح لفظوں سے خالی جگہوں کو بھریے:

1۔ سنا ہے یہ وزیرعلی افغانستان کے بادشاہ شاہ زماں کو ہندوستان پر.................کی دعوت دے رہا ہے۔(حملے، لڑائی)

2۔ وزیرعلی کے دل میں انگریزوں کے خلاف ....کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

(نفرت، برائی، محبت)

3۔ وزیرعلی کی ....بہت مشکل ہے صاحب۔ (معزولی، جاں بخشی، گرفتاری)

عملی کام:

☆ استاد سے تین شہیدانِ وطن کے نام معلوم کرکے لکھیے۔

☆ دو لوگوں کے درمیان کی گفتگو یا بات چیت مکالمہ کہلاتی ہے۔اس ڈرامے کے پانچ مکالمے یاد کرکے لکھیے۔

☆ اس ڈرامے کو ساتھیوں کے ساتھ مل کر اسٹیج کیجیے۔

بشرنواز

(1935–2015)

بشرنواز کا اصل نام بشارت نواز خاں ہے۔ وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ وہیں انھوں نے تعلیم حاصل کی۔ بشرنواز کا تعلق 1960 کے بعد اُبھرنے والے شاعروں کی نسل سے ہے۔اس نسل کے شعرا جدیدیت سے متاثر تھے۔اس کے باوجود انھوں نے کلاسیکی شاعری سے دلچسپی برقرار رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ زبان پر ان کی گرفت مضبوط ہے اور ان کی شاعری میں نئے پن کے ساتھ ساتھ کلاسیکی رنگ بھی ملتا ہے۔ بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں لیکن نظم گو شاعر کی حیثیت سے بھی معروف ہیں۔

''رائیگاں'' اور ''اجنبی سمندر'' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

قدم بڑھاؤ دوستو!

قدم بڑھاؤ دوستو، قدم بڑھاؤ دوستو
چلو کہ ہم کو منزلیں بُلا رہی ہیں دور سے
چلو کہ سارے راستے دُھلے ہوئے ہیں نور سے

چمن کِھلا کِھلا سا ہے
اُفق دُھلا دُھلا سا ہے
دیے جلاؤ راہ میں وطن کا نو سنگھار ہے
نئی نئی بہار ہے
قدم بڑھاؤ دوستو، قدم بڑھاؤ دوستو

سفر کی ابتدا ہے یہ، ابھی رکو نہ راہ میں
پہاڑ ہو کہ غار ہو، نہ لاؤ تم نگاہ میں

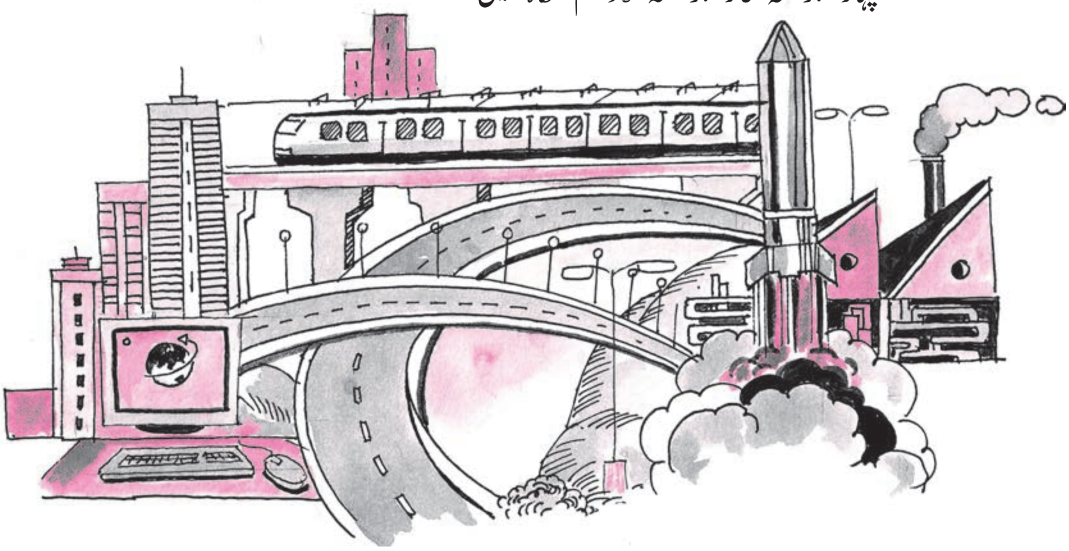

روِش پرانی چھوڑ کے
قدم قدم سے جوڑ کے
چلے چلو کہ وقت کو تمھارا انتظار ہے
نئی نئی بہار ہے
قدم بڑھاؤ دوستو، قدم بڑھاؤ دوستو
کہو، وطن کی خاک ہی کو گلستاں بنائیں گے
روش روش کو اس چمن کی کہکشاں بنائیں گے
کلی کلی نکھار کے
جلاؤ دیپ پیار کے
ہمیں خود اپنے گلستاں پہ آج اختیار ہے
نئی نئی بہار ہے
قدم بڑھاؤ دوستو، قدم بڑھاؤ دوستو

(بشّر نواز)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

افق : جہاں زمین و آسمان ملتے ہوئے نظر آتے ہیں
کہکشاں : ستاروں کا جھرمٹ

روش : باغ میں بنا ہوا راستہ، پگڈنڈی، طریقہ

گلستاں : باغ

• غور کیجیے:

☆ اس نظم میں لفظ 'روش' کا استعمال ایک سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے۔ جیسے I 'روش پرانی چھوڑ کے' II 'روش روش کو اس چمن کی کہکشاں بنائیں گے' پہلے مصرعے میں روش کے معنی ہیں طریقہ اور دوسرے مصرع میں اسے پگڈنڈی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ 'قدم بڑھاؤ دوستو' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

2۔ پہاڑ اور غار کو نگاہ میں نہ لانے کا مطلب کیا ہے؟

3۔ اس نظم کے ذریعے شاعر نے کیا پیغام دیا ہے؟

• عملی کام:

☆ جس لفظ سے کسی کام کا ہونا یا کرنا ظاہر ہو، اسے فعل کہتے ہیں جیسے: چلنا، پڑھنا وغیرہ۔ اس نظم میں شامل افعال کی ایک فہرست بنائیے۔

☆ اس نظم کو بلند آواز سے پڑھیے۔